میثم مادری

ناکام سیاست دان

مؤلف

صاحبزادہ سید محمد زین العابدین راشدی

ناشر السات اکیڈمی، کراچی

منصور حیدر راجہ

ناکام سیاست دان

مؤلف

صاحبزادہ سید محمد زین العابدین راشدی
ایم۔اے

ناشر: السادات اکیڈمی، کراچی

فہرست

مولانا محمود حسن دیوبندی

صفحہ☆۳☆

مولانا ابوالکلام آزاد

صفحہ☆۱۶☆

مولانا حسین احمد مدنی

صفحہ☆۳۱☆

مولانا عبیداللہ سندھی

صفحہ☆۴۵☆

کانگریسی علماءَ

مولانا اشرف علی تھانوی اور جدوجہد پاکستان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ و نصلی ونسلم علیٰ رسولہ الکریم

درج ذیل مضمون میں ''علماء سُو'' یعنی کانگریسی قوم پرست مولویوں کے ماضی کے کردار کا جائزہ لیا ہے کہ انہوں نے اپنے کردار وعمل، قول وفعل سے کس قدر اُمت مسلمہ کو نقصان پہنچایا، وہ کس قدر خوفِ خدا و شرم نبی سے عاری، ملّی احساس سے محروم، مسلم اخوۃ سے بری، طبعی جذباتی، ہندوؤں کے مخلص یار اور مسلمانوں کے کھلے دشمن تھے، تمام حقائق کو صاف صاف بیان کر دیا ہے اور فیصلہ قارئین کی صوابدید پر چھوڑ دیا ہے۔ تاریخ ہمارا اثاثہ اور ماضی ہماری تاریخ ہے اور تاریخ کو درست رکھنا ہماری ذمہ داری ہے۔ ماضی کو بیان کرنے کا مقصد حال اور مستقبل میں صحیح راہ کا متعین کرنا ہے۔

علماء سُو، تفقہ فی الدین کی نعمت عظمیٰ، اعلیٰ سیاسی بصیرت، حال اور مستقبل پر گہری نظر رکھنے سے، بیدار دل، برق نظر دماغ سے سراسر محروم تھے ان پر جذباتیت کا ایک بھوت سوار تھا کہ کچھ کر گزریں، مستقبل کے لیے کوئی صحیح و درست سمت میں کوئی پلاننگ ومنصوبہ بندی نہیں تھی۔

قومی المیہ نہیں کہ ایسے علماء کو ''قومی ہیرو'' بنا کر پیش کیا جارہا ہے اور ان کی غیر اسلامی و غیر اخلاقی تحریکوں (تحریک ہجرت، ہندو مسلم اتحاد، ریشمی رومال یا اس سے پیشتر تحریک بالاکوٹ وغیرہ) پر ہمارے ادیب و دانشور فخر محسوس کرتے ہیں قیام پاکستان کو ان تحریکوں کا نتیجہ قرار دیتے ہیں اور جان بوجھ کر ان تحریکوں کے دینی و دنیوی نقصانات کو سرے سے بیان نہیں کرتے۔

کیا ہم اب تک مسلم دشمن و ملک دشمن لوگوں کو پہچان نہیں پائے یا پھر کسی دنیوی مفاد کی خاطر صرف نظر کرتے ہیں۔ اس طرح تو ہم اپنے بچوں اور آنے والی نسل تک صحیح تاریخ نہ پہنچا کر ان کے مجرم ٹھہریں گے۔

فقیر نے جو بھی بات لکھی ہے وہ بلا کسی تفریق و تعصب کے لکھی ہے اور ہر بات مستند حوالہ جات کے درج کی ہے اور بعض جگہ ایک روایت کے دو تین حوالے درج کیے ہیں تاکہ واضح ہو کہ بات معتبر و مشہور ہے کوئی دعویٰ بلا دلیل بیان نہیں کیا۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو حق پر چلائے، حق کو سمجھنے اور حق قبول کرنے کی ہمت و حوصلہ عطا فرمائے اور اسی طرح باطل کی محبت اور تقلید سے بچائے۔ آمین

یا الٰہ العالمین! فرقہ پرست اور متعصب اذہان و قلوب کو حق پرست اور اپنا متوالا بنادے آمین

رب کریم سبحانہ و تعالیٰ فقیر پر تقصیر کی اس سعی ''ناکام سیاست دان'' کو اپنی بارگاہ صمدیت میں شرف قبولیت سے نوازے اور عوام الناس کے لیے ''روشنی کا چراغ'' بنائے۔ آمین

صاحبزادہ سید محمد زین العابدین راشدی

ایم اے

۲۷؍اپریل ۲۰۰۳ء کراچی

نوٹ: شروع میں اس مقالہ کا نام ''تین ستارے جو ماند پڑ گئے'' تجویز کیا تھا لیکن بعد میں احباب کے توجہ دلانے پر ایک اور مولوی پر قلم اٹھایا اس لیے بعد میں اس کا نام تبدیل کر کے ''ناکام سیاست دان'' نام رکھا گیا۔

مولانا محمود حسن دیوبندی

مولانا محمود حسن مدرسہ دیوبند میں شیخ الحدیث تھے۔ مولانا شبیر احمد عثمانی، حسین احمد مدنی اور عبیداللہ سندھی کا ان کے نامور تلامذہ میں شمار ہوتا تھا۔ علماء دیوبند انہیں ''شیخ الہند'' کے خطاب سے یاد کرتے ہیں۔

مولانا محمود حسن نے تحریک خلافت و ترک موالات کے دور ہنگامہ میں شہرت پائی۔ جب مسٹر گاندھی افریقہ سے ہندوستان آیا تو مولانا محمود حسن نے خوش آمدید کیا اور ایک خالص دینی مذہبی مسئلہ سے متعلق اٹھنے والی ''تحریک خلافت'' کا انہیں سربراہ بنادیا۔ تمام اکابرِ علمائے دیوبند کے بتوں کے پجاری ہندوؤں سے گہرے تعلقات رہے ہیں۔ مولانا متحدہ قومیت کے ترجمان، ''ہندو مسلم اتحاد'' کے داعی اور نیشنلسٹ حکومت کے قیام کے پُر جوش مبلغ تھے۔

۳۰ نومبر ۱۹۲۰ء میں انتقال کیا۔

مسلم یونیورسٹی کے خلاف تحریک☆

مسلم یونیورسٹی خلافت کے دور میں ہندوستان میں مسلمانوں کا واحد نامور تعلیمی ادارہ تھا۔ جہاں طلباً کو نامور اسکالر ڈاکٹر ضیاالدین انہیں دنیوی تعلیم کے ساتھ دینی تربیت دے رہے تھے اور انہیں ''دو قومی نظریہ'' کا درس بھی مل رہا تھا لیکن گاندھی کو مسلمانوں کا واحد تنہا تعلیمی ادارہ بھی برداشت کرنا مشکل تھا، اس لیے اس کے بند کرانے کی مختلف سازشیں بُن رہا تھا۔

''علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے طلبہ نے مولانا محمود حسن سے ترکِ موالات کے بارے میں فتویٰ حاصل کیا تھا...... طلبہ میں اس فتوے سے بہت جوش پیدا ہوا اور اکثر لڑکوں نے یونیورسٹی کا بائیکاٹ کردیا۔'' (انوار الحسن شیر کوٹی خطبات عثمانی مطبوعہ لاہور ۱۹۷۲ء حاشیہ صفحہ ۳۸)

یہ امر قابل ذکر ہے کہ شیخ الہند کے فتوے کی اشاعت کے بعد مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کو بند کرنے، اس کا بائیکاٹ کرنے کے لیے مولانا محمد علی جوہر نے زور لگایا لیکن خدا بھلا کرے ڈاکٹر ضیأ الدین مرحوم (۱۹۴۷ء۔۱۸۷۶ء) کا کہ انہوں نے (جو ترک موالات کے دور میں علی گڑھ یونیورسٹی کے وائس چانسلر تھے) مسلم یونیورسٹی کو سنبھالے رکھا۔ (دوسری طرف) بنارس یونیورسٹی جس کے کرتا دھرتا پنڈت مدن موہن مالویہ تھے انہوں نے کسی کو اپنے پاس پھٹکنے نہ دیا۔ ان میں ہندو ذہنیت کام کررہی تھی۔ (ایضاً صفحہ ۲۲۔۲۱)

تاہم مسلمانوں کی جذباتی رَو کے برعکس مجموعی طور پر علی گڑھ یونیورسٹی متحدہ قومیت اور ترکِ موالات کے سیلاب کی زد میں آنے سے محفوظ رہی اور ڈاکٹر محمد ضیأ الدین احمد ایک مرد آہن کی طرح اپنے راست مؤقف پر ڈٹے رہے۔'' (محمد علی چراغ، اکابرین تحریک پاکستان، سنگ میل پبلی کیشنز لاہور طبع اول ۱۹۹۰ء صفحہ ۴۶۱)

ڈاکٹر ساجد امجد نے اپنے مقالہ ''ڈاکٹر ضیأ الدین احمد'' مطبوعہ لاہور میں ڈاکٹر ضیأ الدین اور علی گڑھ یونیورسٹی پر تفصیل سے لکھا ہے اور اس مرد آہن کی علمی تعلیمی خدمات کو اجاگر کیا ہے۔

''ترک موالات'' کو سمجھنے کے لیے درج ذیل اقتباس کا مطالعہ کیجیے:

''موالات جب مناصرۃ کے معنی میں لیا جائے گا تو وہاں نصرۃ علی المومنین مراد ہوگا یعنی ایسی مدد جس سے مسلمانوں کا نقصان ہوتا ہو یا نُصرۃ الکفر مراد ہے یعنی کفر کی مدد (البتہ) معاشرتی تمدنی اور اَخلاقی اُمور میں مناصرۃ (امداد) ہرگز ہرگز ممنوع نہیں۔'' (پروفیسر علامہ سید محمد سلیمان اشرف۔ النور مطبوعہ علی گڑھ ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء صفحہ ۱۱۸)

ایک مسلمان ادارے کو ختم و تباہ کرنے کے لیے عدم تعاون کا فتویٰ جاری کرکے بتایا جارہا ہے کہ انگریز کی گرانٹ لینے والا ادارہ ہے لہٰذا انگریز سے

گرانٹ لینا شرعاً جائز نہیں۔ لیکن بغائر نظر سے دیکھا جائے کہ نیشنلسٹ علمأ نے ایک کافر (انگریز) کے خلاف عدم تعاون کی تحریک چلائی اور دوسرے کافر (ہندو) کو سینے سے لگا لیا۔ انگریز کے کارخانے سے بننے والا کپڑا حرام ٹھہرا لیکن ہندوؤں کے ہاں کپڑا بننے والا حلال ٹھہرا لیکن جب شرعی دلیل مانگی گئی تو ایسے محسوس ہوا کہ جیسے سانپ سونگھ گیا ہو۔

ہندو مسلم اتحاد☆

مولانا محمود حسن (متوفی ۳۰رنومبر ۱۹۲۰ء) نے مسئلہ ترک موالات کی تائید وحمایت کے سلسلہ میں جمعیت العلمأ ہند کے سالانہ اجلاس (منعقدہ دہلی ۷ تا ۹رربیع الاوّل ۱۳۳۹ھ/ ۱۹ تا ۲۱رنومبر ۱۹۲۰ء) میں اپنا خطبۂ صدارت دیا اور پھر اسی اجلاس کے آخری روز خطبہ ھٰذا کی توضیح وتشریح کے لیے مولانا شبیر احمد عثمانی نے اپنا ایک مفصل مضمون پڑھ کر سنایا۔ اس کا ذکر مولانا محمود حسن نے اجلاس کے اختتام پر اپنی تحریر میں بھی کیا ہے، وہ فرماتے ہیں:

''میں اس وقت آپ سے رخصت ہورہا ہوں اور جو کچھ مجھے کہنا تھا خطبۂ صدارت میں کہہ چکا ہوں اور جو مبسُوط مضمون مولوی شبیر احمد عثمانی نے آپ کو آج ہی کے اجلاس میں سنایا ہے اس کے ضمن میں بھی میرے مقاصد اور محسوسات نہایت خوبی سے ادا ہوگئے ہیں اور حضرات علمأ مقدینین نے بحث و تمحیص کے بعد جو اُمور طے کئے ہیں ان سے بھی یہ بندہ ضعیف عملاً علیحدہ نہیں ہے۔''

(جمعیت العلمأ ہند (جلد اول) مرتبہ پروین روزینہ مطبوعہ اسلام آباد ۱۹۸۰ء صفحہ ۷۳)

نیز تحریک خلافت، ترکِ موالات کے نتیجہ میں پیدا ہونے والے ''ہندو مسلم اتحاد'' کا ذکر کرتے ہوئے مولانا محمود حسن خطبۂ صدارت میں اپنے احساسات و جذبات کا اظہار ان الفاظ میں کرتے ہیں:

"کچھ شبہ نہیں کہ حق تعالیٰ شانہ نے آپ کی (کے) ہم وطن اور ہندوستان کی سب سے زیادہ کثیر التعداد قوم (ہنود) کو کسی نہ کسی طریق سے آپ کے ایسے پاک مقصد کے حصول میں موئید بنادیا ہے اور میں ان دونوں قوموں کے اتفاق و اجتماع کو بہت ہی مفید اور منتج سمجھتا ہوں اور حالات کی نزاکت کو محسوس کرکے جو کوشش اس کے لیے فریقین کے عمائد نے کی ہے اور کررہے ہیں اس کی میرے دل میں بہت قدر ہے۔"

(حوالہ ایضاً صفحہ ۷۴ بحوالہ "مقدمہ" حیات شیخ الاسلام شبیر احمد عثمانی صفحہ ۱۱، ادارہ پاکستان شناسی لاہور ۲۰۰۲ء)

مولانا محمود حسن کی مذکورہ تقریر ان کے انتقال کے دس دن قبل کی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ مولانا آخری گھڑی تک ہندو مسلم اتحاد کے مبلغ رہے اور اس سے یہ بھی واضح ہوا کہ وہ قرآنی نظریہ "دوقومی نظریہ" پر یقین نہیں رکھتے تھے اور اسی دوقومی نظریہ پر ہمارا ملک پاکستان وجود میں آیا اور اسی روز متحدہ قومیت کے نظریہ کو امت مسلمہ نے عملی طور پر پاش پاش کردیا۔

محمود حسن دیوبندی کے نظریہ پر تنقید کرتے ہوئے پروفیسر احسان الحق صاحب رقمطراز ہیں:

"شیخ الہند محمود حسن صاحب نے ہندوؤں کو جب تحریکِ خلافت میں مسلمانوں کی مدد کرتے دیکھا تو وہ یہ سمجھے کہ یہ اللہ کا احسان ہے کہ اس نے ہندوستان کی غالب اکثریت یعنی ہندوؤں کے دل میں مسلمانوں سے تعاون کا جذبہ پیدا کردیا ہے افسوس وہ اصل حقیقت کو نہ سمجھے۔ ہندو، مسلمانوں کے ساتھ ایک سازش کے تحت شریک ہوئے تھے وہ مسلمانوں کی صفوں میں گھس کر ان کا اعتماد حاصل کرکے ان کی پیٹھ میں چھرا بھونکنا چاہتے تھے یہی انہوں نے کیا جیسا کہ گاندھی

کے "چورا چوری" کے واقعہ کی آڑ میں تحریک بند کرنے سے ظاہر ہوا۔"

علامہ پروفیسر سید سلیمان اشرف بہاری اس دور میں "النور" کے نام سے کتاب شائع کرکے ظلمت کدہ ہند میں روشنی بکھیرنا چاہی، اس میں "مسٹر گاندھی کی متابعت کرنے والے مولویوں کو "علمائے سُو کی ہندو پرستی" قرار دیتے ہوئے ان حضرات سے یوں مخاطب ہوتے ہیں:

"ان علماً کی یہ مجال نہیں کہ وہ بطور خود کوئی تحریک پیش کرسکیں یا کسی تحریک کے سامنے آمنا و صدقنا کے سوا کوئی آواز بلند کرنے کی جرات بھی کریں۔"

آگے تحریر فرماتے ہیں:

"ان علماً کا کیا ذکر خود اُس عالم کو لیجئے جسے لیڈروں نے "شیخ الہند" کا لقب دے کر ایک عجیب وغریب ہستی ثابت کیا ہے اُس کے قلم میں بھی یہ قوت نہ تھی کہ وہ مسلمانوں کو اُن افعال خبیثہ کی شناعت و معصیت بتاسکے...... قشقہ لگایا گیا علماً سیاسی خاموش رہے، کافر کی ٹکٹی اٹھائی گئی علماً سیاسی خاموش رہے، کافر کا ماتم سروپا برہنہ ہوکر کیا گیا علماً سیاسی خاموش رہے، رام لچھمن پر پھولوں کا تاج رکھا گیا علماً سیاسی خاموش رہے، گاندھی کی جے پکاری گئی، گئو ماتا کی جے بلند کی گئی علماً سیاسی خاموش رہے حد یہ کہ گاندھی کو کہا گیا کہ اگر نبوۃ ختم نہ ہوتی تو گاندھی نبی ہوتا، علماً سیاسی اب بھی خاموش رہے۔ اس خاموشی سے شیخ الہند بھی مستثنیٰ نہ ہوسکے۔

اگرچہ خادمانِ اسلام (علماً اہل سنت) تقریراً وتحریراً انہیں اعمال کفریہ پر بیدار بھی کرتے رہے لیکن پھر بھی کسی عالم سیاسی

میں اتنی جرات نہ ہوئی جو وہ چالیس اعمال و اقوال کفریہ میں سے کسی ایک کے متعلق بھی اپنے قلم کو جنبش دیتا تا آنکہ ماہ نومبر (۱۹ تا ۲۱ نومبر) ۱۹۲۰ء دہلی میں جلسہ جمعیۃ العلماءٔ منعقد ہوا وہاں یہ مسائل کسی نے پیش بھی کیے لیکن یہ کہہ کر کہ مصلحت وقت اس کی مقتضی نہیں بات ٹال دی گئی حالانکہ اُس اجلاس کی کرسی صدارت ایک عالم ہی کی نشست کا فخر رکھتی تھی۔'' (النور صفحہ ۱۵۱ مطبوعہ علی گڑھ ۱۹۲۱ء)

جمعیت کے اجلاس میں مولانا شبیر احمد عثمانی نے جو خطبہ پڑھا جسے ان کے استاد و مرشد محمود حسن دیوبندی کی تائید و حمایت حاصل تھی، خطبہ کا وہ حصہ قابل غور ہے جس میں ہندوؤں کی بھرپور وکالت کی گئی ہے۔

''آخر میں مجھے اس قدر عرض کرنا ہے کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہندوؤں کے مظالم مسلمانوں پر انگریزوں سے کم نہیں اور وہ آرہ، شاہ آباد کٹارپور وغیرہ کے درد ناک واقعات کو یاد دلاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ترک موالات نصاریٰ کی طرح ہندوؤں سے بھی ہونا چاہیے کیونکہ وہ بھی قَاتِلُوکُمْ فِی الدِّیْنِ میں داخل ہیں۔ اس خیال کی صحت کو ایک حد تک میں تسلیم کرتا ہوں لیکن اس قدر گزارش ہے کہ کٹارپور وغیرہ کے تلخ واقعات کے بعد ہندوؤں کے ممتاز لیڈروں اور جمہور نے یہ عہد کیا ہے کہ آئندہ اس طرح کے واقعات کو ناممکن بنانے میں پوری پوری کوشش کی جائے گی۔''

''اور یہ خیال کہ ہندو ہم کو اس مصالحت کے پیرایہ میں دھوکہ دیں گے اگرچہ ممکن ہے درست ہو جائے مگر جب تک اُن کا کوئی فریب اور بدعہدی ثابت نہ ہو یہ احتمال نکالنا اس قوم کی پوزیشن پر ایک حملہ ہے جسے وہ آپ پر بھی لوٹا سکتے ہیں۔'' (رئیس احمد جعفری ''نام راج سے رام راج تک'' لاہور اکیڈمی لاہور صفحہ ۱۶۸ مطبوعہ ۱۹۶۱ء)

شیخ الہند کے نائب شیخ الاسلام کی گفتگو ملاحظہ فرمائی کہ مسلمانوں پر

وحشیانہ مظالم ڈھائے جانے پر نہ وکالت ہے نہ اظہار افسوس ہے لیکن خطبہ عالیہ میں ساری کوشش و زور ہندوؤں کی وکالت ہے کہ وہ آئندہ ایسا نہیں کریں گے اور ان کے وعدہ کا پاس کیا جائے یعنی ہندوؤں کو بچانے کی بھرپور کوشش کی جارہی تھی۔

مسلمانانِ کٹارپور، ہندوؤں کی وحشت و بربریت پر ہندو لیڈروں کی بے حسی کا ذکر کرتے ہوئے سردار محمد خان عزیز رقمطراز ہیں:

''کٹارپور میں ہندوؤں نے مسلمانوں پر جو ناگفتہ بہ مظالم ڈھائے تھے گاندھی جی اور دیگر ذمہ دار ہندو لیڈروں نے ہر لحظہ مجرمانہ خاموشی کا ثبوت دیا۔ چہ جائیکہ ان ہندوؤں کی مذمت کرتے کانگریسی حلقوں نے معمولی سا اظہار تاسف بھی نہ کیا۔'' (حیات قائد اعظم مطبوعہ لاہور ۱۹۹۲ء صفحہ ۷۳)

ہندوؤں کی طرف سے ایسے ناپاک و ہولناک مظالم جس میں بے گناہ مسلمان نہایت بے دردی سے ذبح کیے گئے، مٹی کا تیل ڈال کر جلائے گئے، ناپاکوں نے پاک مسجدیں ڈھائیں، قرآن کریم کے پاک اوراق پھاڑے اور جلائے اور ایسی ہی وہ باتیں جن کا ذکر کریں تو کلیجہ منہ کو آئے۔ ایسے واقعات پر شیخ الہند اور شیخ الاسلام وغیرہ ہندوؤں نواز علماءٔ، ہندوؤں کی مذمت میں ایک حرف بھی نہیں کہا بلکہ الٹا ہندوؤں کو بچانے پر پورا زور صرف کیا اور بقول عثمانی ''ہندوؤں کے ممتاز لیڈروں اور جمہور نے عہد کیا ہے کہ آئندہ اس طرح کے واقعات کو ناممکن بنانے میں پوری پوری کوشش کی جائے گی۔'' جب کہ عملی طرز عمل یہ تھا کہ ان لیڈروں نے ظالم قاتلوں کے خلاف نہ کاروائی کروائی اور نہ ایک حرف مذمت میں کہا۔ اس کا مطلب صاف صاف یہ ہوا کہ کانگریسی علماءٔ ہر صورت اور ہر حال میں اتحاد چاہتے تھے چاہے مسلمانوں کے خلاف کچھ بھی ہوتا رہے، انہوں نے مسلمانوں کے متعلق بالکل آنکھیں بند کر کے رکھی تھیں۔

عثمانی کے بقول:

''جب تک ان (ہندوؤں) کا کوئی فریب اور بدعہدی ثابت
نہ ہو یہ احتمال نکالنا اس قوم کی پوزیشن پر ایک حملہ ہے۔''

یہ دیوبند کے کیسے شیخ الہند و شیخ الاسلام ہیں کہ ہزاروں مسلمان بے گناہ بربریت وحشیت سے قتل ہورہے ہیں لیکن یہ ٹس سے مس نہیں ہوتے انہیں ناز ہے تو ہندوؤں کی وفا پر، جب تک ہندو لیڈروں کے تعلقات ان سے درست ہیں پھر وہ چاہے کچھ بھی کریں ان کی نظر میں درست ہے۔ یہ کیسے علماً تھے جنہوں نے فرامین قرآن حکیم بھلا بیٹھے اور ہندوؤں ظالم درندوں کے گیت گاتے رہے، اگر دل خوف خدا سے سرشار رکھتے تو اس طرح بے دردی سے ''مسلم دشمنی'' کا ثبوت نہیں دیتے۔ سنیے قرآن حکیم کیا فرماتا ہے:

ا۔ ترجمہ: تم ان میں بہت سے لوگوں کو دیکھو گے کہ کافروں سے دوستی کرتے ہیں۔ بے شک کیا ہی بُری چیز ہے جو خود انہوں نے اپنے لیے تیار کی یہ کہ ان پر اللہ کا عذاب اترا اور وہ ہمیشہ عذاب میں رہیں گے۔ اور اگر انہیں اللہ و نبی و قرآن پر ایمان ہوتا تو کافروں کو دوست نہ بناتے۔ لیکن ان میں سے بہت فاسق ہیں۔'' (سورہ المائدہ پ ٦ آیت ٨٠۔٨١)

۲۔ ترجمہ: اے ایمان والو! میرے اور اپنے دشمنوں (کافروں) کو دوست نہ بناؤ۔ (سورہ الممتحنہ)

قرآن حکیم کے واضح ارشادات ہونے کے باوجود علماً دیو بند نے گاندھی کے گیت گائے، درج ذیل اشعار پڑھ کر اس دور کی دیوانگی کا صحیح اندازہ لگایا جا سکتا ہے:

غریب قوم کے مردہ بدن میں جان ڈالی ہے	لگا کے آپ نے ٹھوکر مہاتما گاندھی
ہمیں اُمید ہے ہم کامیاب ہوں گے ضرور	کہ ہیں ہماری مدد پر مہا تما گاندھی

اور پھر دیکھئے کہ دل کی یہ تاریکیاں کہاں تک پہنچ جاتی ہیں:

چل فخرِ قوم حضرت گاندھی کو دیکھ آئیں	جوش و خروش قوم کی آندھی کو دیکھ آئیں
اک دھوم مچ گئی ہے مسیحا وہ آگئے	کرتے ہیں درد کا جو مداوا وہ آگئے
تعریف کوئی کرسکے اُن کی یہ نادرست	خاموشی از ثنائے .تو حد ثنائے تست
مردہ تھی قوم آپ نے اس کو جلا دیا	ہم سب کو آب چشمۂ حیات پلا دیا

ایک اور استقبالیہ شعر ملاحظہ فرمائیے:

ہیں جن کو دیکھ کر مہر و مہ ششدر وہ آئے ہیں
جھکاتے ہیں ملائک جن کے آگے سر وہ آئے ہیں

ایک طرف مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیلی جارہی تھی اور دوسری طرف متحدہ قومیت کے جام سے سرشار کانگریسی مسلمان گاندھی کی امامت پر نازاں ہیں۔

مولانا عثمانی کے مضمون کا ایک اقتباس ملاحظہ فرمائیں جس میں وہ ہندوؤں کے حوالے سے نہایت جذباتی نظر آتے ہیں۔

''بہت لوگ کہتے ہیں کہ ہندو یہ سب کوششیں ''سوراج'' حاصل کرنے کے لیے کررہے ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ نہ فقط ہندوؤں کا بلکہ بعض مسلمانوں کا بھی یہی مقصد ہے، لیکن آپ اس مقصد کو بُرا کیوں سمجھتے ہیں؟ (ایضاً نام راج سے رام راج تک)

تحریک پاکستان کے سرگرم رہنما مفتی محمد عمر نعیمی (کراچی) نے ''سوراج'' کی حقیقت اس طرح واضح کی ہے وہ رقمطراز ہیں:

''سوراج کے معنی ہی یہ ہیں کہ اس ہندوستان سے ہر اس شخص کو نکال دیا جائے جس کو ہندو اپنے خیال میں غیر ملکی سمجھتے ہیں یا تہ تیغ کر ڈالا جائے، دین و ملت سے مرتد کر کے غلام بنا لیا جائے اور اچھوت قوموں کی طرح کتوں اور موذی جانوروں سے بدتر زندگی بسر کرنے پر مجبور کیا جائے یہ ''سوراج'' آریہ قوم کو جان سے زیادہ عزیز ہے۔''

(ماہنامہ السواد الاعظم مراد آباد ربیع الاول ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۰ء)

''خدا نہ کرے کہ ایسا منحوس ''سوراج'' کا وقت کبھی آئے ورنہ مسلمانوں کی وہی حالت ہوگی جو ہندوؤں نے اپنے عہد حکومت میں ہندوستان کی قدیم اقوام کی کر رکھی تھی۔ بلکہ تجویز تو یہ ہے کہ جس طرح بدھ مت کو ہندوؤں نے ہندوستان سے نیست و نابود کردیا، اس طرح مسلمانوں کا بھی نام ونشان مٹادیں۔ ہندوؤں کی یہ تمناپوری نہیں ہوسکتی اگر مسلمانوں میں سے زرخرید لوگ ہندوؤں کے ساتھ مل کر مسلمانوں کو گمراہ نہ کریں۔ مگر بدقسمتی سے ہندوؤں کو ایسے افراد اور ایسی جماعت ہاتھ آگئی۔ ''جمعیۃ العلماً'' نام کی جماعت شب و روز ہندو مقصد کی اشاعت میں سرگرم ہے اور اس کے اراکین اسلام اور مسلمانوں کے خون میں غوطہ لگارہے ہیں۔

مسلمانانِ ہند کو ہوشیار ہونا چاہیے، خاموشی اور سُستی کا وقت نہیں ہے ہر جگہ کے مسلمانوں پر فرض ہے کہ وہ ایسی جماعتوں سے بےتعلقی اور بیزاری کا اظہار کریں کہ یہ لوگ مسلمانوں کے نمائندے نہیں اور مسلمان ان کی آواز سے متفق نہیں ہیں۔'' (السواد الاعظم محرم الحرام ۱۳۵۰ھ بحوالہ تحریک آزادی ہند صفحہ ۲۶۴)

اور ایسے سوراج کے لیے علماً دیو بند راہ صاف کرتے رہے اپنی تقاریر میں خوش آمدید کہتے رہے۔

مولانا محمود حسن کے فیضان سے دارالعلوم دیو بند فیضیاب تھا، اسی فیض سے طلبہ بھی سرشار ہوتے رہے۔ ایک جھلک مولانا عبدالماجد دریا بادی کے قلم نے محفوظ کی، ملاحظہ کیجیے:

''آج چاروں طرف سے اس قصبے (دریا باد) پر کانگرسی خیال کے مسلمانوں کا دھاوا ہے۔ دیو بند کے طلبا (طلبہ) کا ایک دستہ آیا ہوا ہے اور اپنے مسلک کی تبلیغ یا کوشش میں مصروف ہے......قیام ان کا دھرم شالہ میں ہے، حالانکہ قصبہ میں ایک نہیں دو سرائیں مسلمانوں کی موجود ہیں، ان کا رہنا سہنا، چلنا

پھرنا، کھانا پینا، تمام تر ہندوؤں کے ساتھ ہے، انہی کے درمیان اور انہی کا سا۔'' (ماہنامہ صدق لکھنؤ ۱۹۴۶ء بحوالہ رشید محمود (مرتبہ) تحریک ہجرت ۱۹۲۰ء صفحہ ۵۰)

جب مولانا شبیر احمد عثمانی پر ''ہندو ذہنیت'' کی اصلیت آشکارا ہوئی، تو مولانا نے قیام پاکستان کے کچھ عرصہ قبل اپنے استاد محمود حسن دیو بندی کی ناکارہ سیاست سے بغاوت کرکے ''دو قومی نظریہ'' کا پرچم تھام لیا تو اس کی پاداشت میں انہیں دارالعلوم میں جینا دوبھر کردیا اور ہر ذلت آمیز رویہ اختیار کیا گیا۔ اس دور میں وہ دارالعلوم کی تصویر اپنے قلم سے یوں کھینچتے ہیں:

''اب (دارالعلوم میں) تفسیر جلالین، بیضاوی اور درس حدیث میں کانگریسیت کا سبق پڑھایا جانے لگا۔ مہاتما گاندھی اور جواہر لال نہرو کے کارناموں کی نہ صرف تعریف کی جاتی ہے بلکہ اُن کی تائید قرآن و حدیث سے پیش کی جانے لگی۔ درس حدیث میں شاید ہی کوئی دن ایسا گزرتا ہوگا کہ جس میں کانگریس کا تذکرہ اور اس میں شمولیت کی تلقین نہ کی جاتی ہو ان ہی تقریروں اور رات دن کی متواتر کوششوں کا نتیجہ ہے کہ آج دارالعلوم نہ صرف ہنود کا مدّاح ہے بلکہ ان کے رنگ میں بہت کچھ رنگا جا چکا ہے۔'' (دبدبہ سکندری رامپور ۱۹۴۵ء بحوالہ حیات شبیر احمد عثمانی مقدمہ صفحہ ۵۸ ادارہ پاکستان شناسی لاہور)

یہ وہ دارالعلوم ہے جس کے اساتذہ، محمود حسن کے شاگرد اور صدر مدرس حسین احمد مدنی نہ صرف شاگرد بلکہ اعتقادی و سیاسی نظریات کے وارث و جانشین بھی تھے۔

مولوی محمود حسن کو جب حجاز سے گرفتار کرکے مصر لایا گیا تو تفتیش کرنے والے ایک انگریز کے سوالات، کے جو جوابات آپ نے دیے اور جو مولوی حسین

احمد نے نقل کیے ہیں اس کا خلاصہ یہ ہے:

۱۔ ریشمی خطوط کے بارے میں مولانا کو کچھ علم نہ تھا۔

۲۔ حکومت برطانیہ کے خلاف کسی سازش میں ملوث نہ تھے۔

۳۔ جمعیت انصار محض مدرسہ دیو بند کے مقاصد کے لیے قائم کی گئی۔

۴۔ یہ الزام بے بنیاد ہے کہ آپ ترکی، ایران، افغانستان کو متحد کر کے ہندوستان پر حملہ کرانا چاہتے تھے اور اس طرح اسلامی حکومت قائم کرنے کا ارادہ رکھتے تھے۔ (مولوی حسین احمد، سفر نامہ شیخ الہند مطبوعہ لاہور ۱۹۷۴ء صفحہ ۷۳)

مولوی عبدالرشید ارشد نے لکھا ہے کہ:

مولانا (محمود حسن) کا مقصد یہ تھا کہ ہندو مسلم اور سکھ مل کر مطلق آزادی حاصل کریں، ان کے سامنے اسلامی حکومت کا کوئی واضح تصور نہ تھا۔ اس لیے ان کے مشن میں سکھ اور انقلابی ہندو شریک تھے۔'' (بیس بڑے مسلمان صفحہ ۲۷۸۔۲۹۱ بحوالہ تحریک آزادی ہند اور السواد الاعظم صفحہ ۱۴۰ مطبوعہ لاہور ۱۹۸۷ء)

''حضرت رحمۃ اللہ علیہ (محمود حسن) نے ترکِ موالات کی تمام دفعات میں کانگریس کی موافقت کی تھی۔'' (ایضاً بیس بڑے مسلمان صفحہ ۲۵۸)

ڈاکٹر معین الدین عقیل رقمطراز ہیں:

''جمعیۃ نے یہ خیال کیا کہ جو راستہ مولانا محمود حسن دیوبندی نے ان کے لیے اس وقت طے کیا تھا جب وہ تحریکِ خلافت میں شریک تھے اور انہوں نے ہندوؤں سے اتحاد پر اصرار کیا تھا وہ راستہ ہمیشہ کے لیے دُرست ہے۔'' (اقبال اور جدید دنیائے اسلام صفحہ ۲۷۲۔۲۷۳ مطبوعہ)

کڑی سے کڑی ملاتے چلیے محمود حسن کی تحریک کا لُب لباب سامنے آجائے گا کہ یہ لوگ ہندوستان پر ''ہندو حکمرانی'' چاہتے تھے اس لیے انگریز کو نکالنا چاہتے اور اس کام میں مسلمانوں کی حمایت ضروری تھی اس لیے کانگریسی

علماء جذباتی تحریکیں چلا کر مسلمانوں کے جذبات سے کھیلتے رہے اور ہندو لیڈر ان علماء کو کھلونے کی طرح اُنگلیوں پر نچاتے رہے۔

''کانگریسی علماء نے کہا کہ علماء دیوبند کے استاد اور مرشد محمود حسن دیوبندی متحدہ قومیت کے موید تھے اور وہ دوقومی نظریہ کو نہ صرف ہندوستان بلکہ عالم اسلام کے لیے مضر قرار دیتے تھے۔'' (حیات شیخ شبیر احمد عثمانی مرتبہ فیض الانبالوی صفحہ ۳۴ مطبوعہ ادارہ سیرت پاکستان لاہور ۱۹۴۹ء)

اس اعتراض کا جواب اگرچہ مرتبہ نے دیا ہے لیکن تمام کڑیوں کو آپس میں جوڑا جائے تو جواب آسانی سے سامنے آجائے گا اس لیے کسی قیاسی جواب کی ضرورت نہیں۔

❁ ❁ ❁

مولانا ابوالکلام آزاد

ابوالکلام آزاد، دینیات کے نامور ادیب، مصنف، صحافی اور الہلال و ترجمان القرآن کے ایڈیٹر رہے۔ وہ ۱۸۸۸ء میں حضرت مولانا خیر الدین کے گھر پیدا ہوئے۔ آپ کے والد ماجد عالم دین، شیخ طریقت اور وہابیت کے کٹر مخالف تھے لیکن ناخلف بیٹا والدین کی لاکھ وصیت نصیحت کے باوجود بھی ان کے برعکس وہابیت کے مقلد، ہندو مسلم اتحاد کے مبلغ، کانگریس کے وفادار لیڈر اور گاندھی کے سچے غلام بن بیٹھے۔ ۱۹۲۰ء سے لیکر آخر دم ۱۹۵۸ء تک اپنے نظریات پر قائم رہے اور پاکستان کو کبھی بھی قبول نہیں کیا۔

ابوالکلام آزاد نے ہمیشہ اسلام دوستی کے بجائے ہندو دوستی کا دم بھرا۔ مسلم لیگ کی مخالفت میں سر دھڑ کی بازی لگا کر کانگریس کی حمایت میں زمین و آسمان کے قلابے ملائے۔ ہندوؤں کی مالی امداد سے تحریک پاکستان کی اپنی ہمت سے بڑھ کر مخالفت کی اور مسلمانوں کو ہمیشہ غیر مشروط طور پر کانگریس میں شرکت کی دعوت دی۔ اپنی کتاب ''مسلمان اور کانگریس'' میں کانگریس کے گیت گائے اور مسلم لیگ کو نشانہ تضحیک و توہین بنایا۔

دینی مدرسہ کا افتتاح گاندھی نے کیا☆

مولوی عبدالرزاق ملیح آبادی لکھتے ہیں:

۱۹۲۱ء میں ترک موالات کی تحریک نے کلکتہ کی سرکاری عربی دینی درسگاہ مدرسہ عالیہ کی اینٹ سے اینٹ بجا دی، ایک نیا عظیم الشان دینی مدرسہ مولانا ابوالکلام آزاد کے ہاتھوں قائم ہوگیا۔ گاندھی جی نے آکر مدرسے کا افتتاح کیا۔ مولانا حسین احمد دیوبندی مرحوم صدر مدرس بنے۔ (روزنامہ الجمعیۃ دہلی فروری ۱۹۵۸ء شیخ الاسلام نمبر صفحہ ۱۱۴ بحوالہ ماہنامہ کنزالایمان لاہور تحریک خلافت نمبر ۱۹۹۴ء)

ایک ہندو دس مسلمان کے برابر☆

ایک موقعہ پر ابوالکلام آزاد نے ہندوؤں کی حمایت کرتے ہوئے کہا:

اگر کوئی طاقت ہندوستان پر حملہ آور ہو تو مسلمانوں کا صرف یہی فرض نہیں کہ وہ حملہ آور سے مقابلہ کریں بلکہ اگر ایک ہندو قتل ہو جائے تو دس مسلمان اس کے لیے جان قربان کرنے کے لیے تیار ہو جائیں گے۔ (کنزالایمان لاہور تحریک خلافت و ترک موالات نمبر)

انگریز گورنمنٹ سے دلی وابستگی☆

۱۹۰۲ء میں جشن تاجپوشی گورنمنٹ برطانیہ کے موقع پر مولانا نے فارسی زبان میں ایک ''طویل قصیدہ'' لکھ کر برطانیہ کی نمک خواری کا پورا پورا ثبوت فراہم کیا۔ بخوف طوالت ناظرین کی ضیافت طبع کے لیے چند اشعار نقل کیے جارہے ہیں:

شد تخت نشین بہ تخت انگلینڈ	خوش بخت شد است بخت انگلینڈ
یعنی ایڈورڈ شاہ جمجاہ	شد تخت نشین بہ عزت و جاہ

قطعہ تاریخ اردو نہ

ہوئی لندن میں از فضلِ الٰہی	نہایت شان سے جب تاج پوشی
کہا آزاد نے بڑھ کر ادب سے	مبارک شاہ کو اب تاج پوشی

(۱۳۲۰ھ)

۲۵/جون ۱۹۰۲ء بروز جمعرات کلکتہ میں جشن تاجپوشی کے سلسلہ میں ایک مشاعرہ ہوا جس میں ابوالکلام آزاد نے بڑھ چڑھ کر شرکت کی اور حاضرین مشاعرہ سے خطاب کرتے ہوئے کہا:

''ابتدائے عالم سے آج تک تمام بادشاہانِ وقت میں اس کی نظیر نہ ملے گی کہ باوجود اختلافِ قومیت اور اختلاف وطنیت کے اس آزادی کے ساتھ

سلطنت کی ہو۔ یہ اس گورنمنٹ کی خاص آزادی اور اہل ہند کی جانب توجہ ہے۔" (نوادر ابوالکلام آزاد۔ ارمغان آزاد صفحہ ۷۳۔ جعفر ایں زماں صفحہ ۲۵)

ہندو مذہب سے دلی لگاؤ☆

لگے ہاتھوں ہندو مذہب سے ان کی عقیدت و محبت بھی ملاحظہ فرمالیجئے۔ فرمان جاری ہوتا ہے: "جہاں تک میرا مطالعہ ہے دنیا کے تمام مذاہب میں "نظریہ توحید" کو جس مذہب نے سب سے زیادہ قریب سے دیکھا ہے وہ ہندو مذہب ہے میرے پاس اس کے بہت سے تاریخی شواہد و نظائر موجود ہیں۔" (نوادر ابوالکلام صفحہ ۱۸۹ عبدالغفار شکیل) آزاد کی ہندو مذہب سے اس شیفتگی اور والہانہ لگاؤ کی وجہ سے ہی غالباً کسی نے انہیں "امام الہنود" کا خطاب مرحمت فرمایا تھا۔ جس کے وہ ہر لحاظ سے حقدار اور اہل تھے۔

یہ اس کی دَین ہے جسے پروردگار دے

جناب عبدالوحید خان، ابوالکلام آزاد کے متعلق اپنا مشاہدہ و تجزیہ تحریر فرماتے ہیں:

> خلافت کی تحریک کی ناکامی کے بعد وہ بالکل بدل چکے تھے۔ اب ان کے سامنے آخر وقت تک مسلمانوں کا ملی سوال پیدا ہی نہیں ہوا اور ان کی تمام مساعی گاندھی کی قیادت کے ماتحت ہندوستان میں وطنیت کی بناء پر ایک مشترکہ قومی حکومت کے قیام اور مشترکہ تمدن "جس پر ہندو مسلم ایک ہزار برس کے باہمی میل جول کی چھاپ لگ چکی ہے" کی تعمیر کے لیے وقف ہوگئیں۔
>
> "اسلامی امامت" کا تخیل "ہندی قومیت" میں جذب ہوگیا مسلمانوں کی حیثیت زیادہ سے زیادہ ایک اقلیت کی رہ گئی۔ مسلم قوم و جماعت کا تصور تک ختم ہوگیا یا تو زکوٰۃ اور نماز ان

کے نزدیک جماعت کے علاوہ بے معنی تھیں یا اب نماز باجماعت کی حیثیت اتنی ختم ہوئی کہ وہ ہفتوں اور مہینوں لکھنؤ، نینی تال اور دلی میں مسجد کے قریب ہی مقیم رہتے مگر جماعت کی نماز میں کبھی شامل نہ ہوتے حتیٰ کہ جمعہ کی جماعت میں کبھی اتفاقیہ ہی شامل ہوتے یا تو ایک زمانہ میں اتقا کا یہ عالم تھا کہ تذکرہ کی اشاعت کے لیے تصویر کا کھچوانا ممنوع تھا یا اب نئے دور میں باقاعدہ ان کی تصویر کھچوانے کی رسمیں اس طرح ادا ہونے لگیں کہ:

- ۱۹۴۰ء میں رام گڑھ کے سالانہ اجلاس کانگریس میں صدر کانگریس کی حیثیت سے "ہندو خواتین" ان کی پیشانی پر صندل کا نشان لگا رہی ہیں اور کانگریسی اخبارات اس تصویر کو علی الاعلان شایع کررہے ہیں، اسلامی تمدن کا علمبردار "امام الہند" واردھا میں فرش زمین پر بیٹھ کر چوکا لگا کر ہندو رسم و رواج کے مطابق کھانا کھا رہا ہے اور اس کے فوٹو ہندو اخبارات میں فاتحانہ انداز میں چھپ رہے ہیں۔

غضب یہ کیا کہ بے شمار آیات قرآنی کے مطالب دور "الہلال" میں کچھ اور انداز میں نکلے تھے جو قومیت کے دور میں شایع شدہ تفسیروں میں بالکل مختلف ہوگئے حتیٰ کہ بعض مضامین میں جو "مدینہ" اور دوسرے رسائل میں شائع ہوئے، ہندوؤں کو اہل کتاب قرار دیا گیا۔ توحید اور آخرت پر ایمان اور اعمال صالحہ نجات اُخروی کے لیے کافی سمجھے جانے لگے (یعنی رسالت پر ایمان لانا ضروری نہیں سمجھا گیا) (تقسیم ہند صفحہ ۴۷ مکتبہ ایوان ادب لاہور ۱۹۵۹، کنزالایمان نمبر)

جب ابوالکلام جیسے مفسر قرآن، عالم دین نے اسلام کے بنیادی اصولوں سے انحراف کر کے سیکولر تصور کو مسلمانانِ برصغیر پر تھوپنا چاہا تو انہوں نے اس کو رد کر دیا اور ایک ایسے ہی مسلمان سے نہ رہا گیا اور کہہ اٹھا۔

جو تھا ''امام الہند'' کل آج ''امام الہندو'' ہے
کل تھا اک آزاد مسلمان آج غلام الہندو ہے

(روزنامہ نوائے وقت لاہوز ۱۱ر ستمبر ۱۹۸۴ء بحوالہ جعفر ایں زمان صفحہ ۱۵ محمد صادق میاں قصوری)

ہجرت کرنا شرعی تھا☆

تحریک خلافت کے بچوں میں سے ایک بچہ ہجرت تھی۔ تحریک خلافت جب زور پر جاری ہوئی تو مسلمان لیڈروں نے کیا کیا، ذرا ڈاکٹر غلام حسین کے الفاظ میں سنیے، رقمطراز ہیں:

''جوش جذبات سے مغلوب مسلمانوں نے گاندھی جی کو اپنا قائد مان لیا اور تحریک خلافت کی قیادت بھی انہیں کو سونپ دی۔ گاندھی پکے سناتن دھرمی ہندو تھے۔ مسئلہ خلافت کی ابجد سے بھی وہ واقف نہیں تھے مگر مسلمانوں کی حمایت حاصل کرنے کے لیے وہ ان دیکھی سرزمین پر بھی چل پڑے'' (گاندھی لسان العصر کی نظر میں صفحہ ۱۵۲)

خلافتی علماً میں نامور خطیب ابوالکلام آزاد ایک قدم اور آگے بڑھے اور مسلمانوں کو ہندوستان سے ہجرت کرنا شرعی بتا کر فتویٰ جاری فرما دیا۔ وہ فرماتے ہیں:
''میں پوری بصیرت کے ساتھ اس اعتقاد پر مطمئن ہو گیا ہوں کہ مسلمانانِ ہند کے لیے بجز ہجرت کے اور کوئی چارہ شرعی نہیں جب ایک طالب علم کو ہجرت کا حکم دے دیا گیا تو اس کے لیے ہجرت کر جانا واجب ہو جائے گا۔'' (تحریک ہجرت صفحہ ۹۸) اس فتویٰ کے بعد ہجرت کے لیے مسلمانوں کو اُکسانے کے لیے علماً نے جلسے کرنا شروع کیے ملک گیر طوفانی دورے ہونے لگے، مولانا

محمود الحسن دیوبندی، مولانا حسین احمد مدنی، مولانا عبیداللہ سندھی، مولانا تاج محمود امروٹی نے بڑی سرگرمی دکھائی۔

لیکن صاحب فتویٰ و دیگر کانگریسی مولویوں نے خود شرعی ہجرت پر عمل نہیں کیا۔ ہندوستان کو دارالحرب قرار دینے والوں نے مسلمانوں کو خوب تباہ و برباد کیا لیکن خود ساری زندگی دارالحرب میں گزار کر حرام کی موت مر گئے۔

یہ ہے سیاست سے نابلد، عقل کے دشمن، تفقہ فی الدین سے آزاد، بے عمل، زرخرید، انتہائی جذباتی ملاؤں کا حال کہ اپنے ہی جاری کردہ فتویٰ پر عمل کرنے سے گریز کیا۔

مسئلہ امامت☆

ابوالکلام اسی فتویٰ میں آگے چل کر اصل مسئلہ کی جانب عمل کی ترغیب دلاتے ہیں، رقمطراز ہیں:

اعمالِ ہجرت کا جو نمونہ اُسوہ حسنہ نبوت نے ہمارے لیے چھوڑا ہے وہ یہ ہے کہ ہجرت سے مقدم ہجرت کی بیعت ہے۔ بغیر بیعت کے ہجرت نہیں کرنی چاہیے۔ پس ضروری ہے کہ جو لوگ ہجرت کریں پہلے ہجرت پر بیعت کر لیں۔ جس طالب حق کو مجھ پر اعتماد ہو، اللہ کی راہ میں میرا ساتھ دے۔'' (تحریک ہجرت)

ابوالکلام آزاد کی اس مہم پر تبصرہ کرتے ہوئے جناب قاضی محمد عدیل عباسی رقمطراز ہیں:

اس طرح بیعت ہجرت بالواسطہ بیعت امامت تھی اور دونوں تحریکیں مولانا (ابوالکلام) ایک ساتھ چلا رہے تھے، مولانا کو اپنی ذات کی اہلیت پر اتنا اعتماد تھا کہ انہوں نے اہل الرائے کے مشورے کی ضرورت نہیں سمجھی اور براہ راست قوم سے بیعت لینا چاہتے تھے بلکہ امامت کے لیے بیعت لینے کی تو مہم چلا رکھی تھی۔'' (تحریک خلافت صفحہ ۱۳۲)

ابوالکلام آزاد کے مرید خاص مولوی عبدالرزاق ملیح آبادی اسکیم امامت کا خلاصہ یوں بیان کرتے ہیں :

کہ ہندوستان کے مسلمانوں کو مذہب کی راہ سے منظم کیا جائے۔ مسلمانوں کا ایک امام ہو اور امام کی اطاعت کو وہ اپنا دینی فرض سمجھیں۔ مسلمانوں میں یہ دعوت مقبول ہوسکتی ہے اگر قرآن و حدیث سے انہیں بتا دیا جائے مگر امام کون ہو؟ اس منصب کے لیے زیادہ سے زیادہ معتبر آدمی کو چُننا ہوگا۔ ظاہر ہے کہ مولانا اپنی ذات سے زیادہ کسے امامت کا اہل سمجھ سکتے تھے۔'' (ذکر آزاد صفحہ ۲۴)

اس کے بعد طے پا گیا کہ امامت کا مسئلہ پبلک میں لانے سے پہلے اندر اندر مولانا کی امامت کے لیے ملک بھر میں بیعت لینا شروع کر دیا جائے تاکہ جب یہ معاملہ سامنے آئے تو امام کی بیعت واقعہ بن چکی ہو۔ لیکن کانگریسی و خلافتی علماءُ ان کی امامت پر متفق نہ ہوسکے اس لیے یہ خواب شرمندہ تعبیر نہ ہوسکا اور مولانا کی حسرت دل ہی دل میں رہ گئی۔ ابوالکلام کے مرید و خلیفہ عبدالرزاق ملیح آبادی لکھتے ہیں :

''لیکن ستمبر ۱۹۲۰ء کے بعد مولانا نے تحریک امامت کو ختم کر دیا اور امامت کے معاملے کی اہمیت دفعتاً مولانا کے ذہن میں کم ہوگئی۔ (ذکر آزاد صفحہ ۳۷ بحوالہ گاندھی لسان العصر کی نظر میں صفحہ ۶۱)

متحدہ قومیت کے مبلغ اعظم ☆

کانگریس کے صدر منتخب ہونے کے بعد ابوالکلام آزاد نے لاہور میں تقریر کرتے ہوئے کہا :

''جناح کا یہ نظریہ کہ ہندوستان میں (ہندو اور مسلمان) دو جداگانہ اقوام ہیں غلط فہمی پر مبنی ہے میں اس باب میں ان سے متفق نہیں ہوں۔'' (جعفرایں زماں صفحہ ۲۶)

ڈاکٹر اسرار احمد نے اس عقدہ کو حل کیا ہے :

''مولانا آزاد جب امام الہند نہ بن سکے اور علماءُ نے ان کو نظر انداز کر دیا تو انہوں نے اپنی انا کی تسکین کے لیے کانگریس میں شمولیت اختیار کر لی۔'' (مولانا آزاد اور ان کے ناقد صفحہ ۵۵)

اے کہ تجھ کو اپنی ملت سے ہے کد
کھا گیا تجھ کو قیادت کا حسد

ڈاکٹر عاشق حسین بٹالوی نے آزاد کی مسلم دشمنی کا یوں ذکر کیا ہے:

بدر الدین طیب جی سے لے کر تصدق احمد خاں شروانی تک ہندوستان کے بیسیوں مسلمان اکابر وقتاً فوقتاً کانگرس میں شریک رہ چکے ہیں جن میں محمد علی ایسے آتش نفس، انصاری ایسے ایثار پیشہ، جناح ایسے آئین پسند، حسن امام ایسے قانون دان اور حسرت موہانی ایسے رئیس المتغزلین سبھی قسم کے لوگ موجود تھے لیکن مسلمانوں کے قومی مفاد کو جس بے حسی بلکہ سنگدلی سے قربان کرنے کا شرف حضرت امام الہند (امام الہندو، فنا فی الہندو) کے حصے میں آیا وہ کسی اور کو نصیب نہ ہوسکا۔'' (اقبال کے آخری دو سال صفحہ ۴۵۵)

یہی ڈاکٹر دوسرے مقام پر رقمطراز ہیں :

''مولانا کا صرف یہ کام رہ گیا تھا کہ جہاں جہاں مسلمان اقلیت میں ہیں وہاں ان کی جداگانہ ہستی کو ختم کر کے انہیں ہندو اکثریت میں مدغم کر دیا جائے اور جہاں مسلمانوں کی اکثریت ہے وہاں سازشوں ریشہ دوانیوں اور افترا پردازیوں کے جال پھیلا کر ان کی قومی حمیت کو پارہ پارہ کیا جائے تاکہ اغیار کو حکمرانی کے مواقع مہیا ہوتے رہیں۔ (ایضاً)

کٹ کے اپنوں سے ملے ہو، جا کے تم اغیار سے
پھر یہ کہتے ہو کہ ہم ظالم ہیں تم مظلوم ہو

تحریک پاکستان کے مشہور رہنما ایم اے ایچ اصفہانی آزاد کی ہندو پرستی کے متعلق لکھتے ہیں:

مسٹر نہرو کے ایک گہرے دوست اور رفیق کار مولانا ابوالکلام آزاد جن کی ہندو کانگریس سے وفاداری کے بارے میں کہا جا سکتا ہے کہ وہ ''بادشاہ سے بھی زیادہ وفادار'' تھے۔ (قائد اعظم جناح صفحہ ۳۰۸ مطبوعہ لاہور)

تمام مذاہب (ہندو مذہب، عیسائی مذہب، بُدھ مذہب وغیرہ) کو اسلام کے ہم پایہ ثابت کرنے کے لیے ابوالکلام آزاد نے لکھا:

''اس (اسلام) نے صاف صاف لفظوں میں اعلان کر دیا کہ اس کی دعوت کا مقصد اس کے سوا کچھ نہیں کہ تمام مذاہب اپنی مشترکہ اور متفقہ سچائی پر جمع ہو جائیں وہ کہتا ہے تمام مذاہب سچے ہیں۔'' (ترجمان القرآن جلد اول صفحہ ۱۶۳ بحوالہ ابوالکلام کی تاریخی شکست صفحہ ۶۰)

عیسائی مذہب کو اسلام نے منسوخ کر دیا اب اس کی گنجائش کہاں؟ دوسری بات عیسائی مذہب آج کل تحریف شدہ ہے اس لیے قابل عمل نہیں تیسری بات وہ تین خداؤں (تثلیث) کے قائل ہیں۔ دوسرا ہندوَ مذہب جو کہ آسمانی نہیں ہے بلکہ پنڈتوں کی خود تراش ہے، بے بنیاد و جھوٹا مذہب اس کے علاوہ ہاتھ کے بنے ہوئے بتوں کے پجاری ہیں اس سے دونوں مشرک ثابت ہوئے۔ مشرکوں کو سچا ماننا اور اسلام کے ہم پایہ سمجھنا خود آزاد کے جھوٹے ہونے کی دلیل ہے اور کفر کا اعلان ہے۔

۱۹۴۰ء میں مولانا آزاد نے رام گڑھ کانگرس کے خطبہ صدارت میں بانگ دہل فرمایا:

میں فخر کے ساتھ محسوس کرتا ہوں کہ میں ہندوستانی ہوں۔ میں ہندوستان کی ایک ناقابل تقسیم متحدہ قومیت کا ایک ایسا عنصر ہوں جس کے بغیر اس کی عظمت کا ہیکل ادھورا رہ جاتا ہے۔ میں اس کی تکوین (بناوٹ) کا ایک ناگزیر حامل فیکٹر (FACTOR) ہوں میں اس دعویٰ سے کبھی دست بردار نہیں ہو سکتا۔'' (مولانا آزاد اور ان کے ناقد صفحہ ۸۹)

ابوالکلام آزاد نے خطبہ جمعہ میں مسٹر گاندھی (مشرک و کافر) کے لیے ''مقدس ذات'' ''ستودہ صفات'' القاب استعمال کیے۔ (تنقیدات و تعاقبات صفحہ ۹۷)

قاضی عدیل عباسی رقمطراز ہیں۔

''مولانا ابوالکلام آزاد قولاً اور عملاً گاندھی جی کے ہمنوا تھے۔

(تحریک خلافت صفحہ ۸۰)

جہاں تک ابوالکلام آزاد کی ہمنوائی کا تعلق ہے انہوں نے پوری زندگی گاندھی کی نذر کردی:

''ہندوستان کی سیاست کے اس انقلابی دور میں حضرت مولانا (ابوالکلام آزاد) کی پہلی ملاقات ''مہاتما جی''(۱) سے ۱۸/جنوری ۱۹۲۰ء کو دہلی میں ہوئی جہاں مسئلہ ترکی و خلافت کے متعلق وائسرائے سے گفتگو کرنے کے لیے تمام ممتاز ہندو، مسلمان لیڈر جمع ہوئے تھے۔ اس موقع پر آنجہانی تلک بھی موجود تھے اور وہ ہی دن تھا جب مولانا اور گاندھی جی کے درمیان محبت اور خلوص کا ایک ایسا رشتہ قائم ہوا جو گاندھی جی کے آخری دم تک قائم رہا۔ (بڑے مسلمان صفحہ ۲۹۷ خلافت نمبر ۱۸)

(۱) نوٹ: مہاتما کے معنی ہیں ''روح اعظم'' جو خاص لقب جبریل امین علیہ السلام کا ہے۔ مشرک کو اس سے تعبیر کرنا صریح مخالفت خدا و رسول ہے۔ (تحریک ہجرت صفحہ ۵۷ راجہ رشید محمود)

پاکستان نامنظور☆

''تحریک پاکستان کے راستے میں جو سنگ گراں حائل تھے۔ ان میں

ایک مولانا (ابوالکلام آزاد) بھی تھے انہوں نے ہر موقع پر پاکستان کے تصور اور مطالبے کی مخالفت کی۔" (رئیس احمد جعفری، کاروان گم گشتہ کراچی ۱۹۷۱ء صفحہ ۳۹)۔

محترم محمد صادق قصوری ان کے نظریات پر روشنی ڈالتے ہوئے رقمطراز ہیں:

مسلم لیگ، قائد اعظم اور تحریک پاکستان کی مخالفت ابوالکلام کی رگ رگ میں رچی ہوئی تھی۔ کانگریس کی حمایت ان کی زندگی کا مقصد وحید تھا۔ مسلم لیگ کی مخالفت ان کے لیے توشۂ آخرت تھا۔ ہندوؤں کی خوشنودی حاصل کرنا ان کا وظیفہ حیات تھا انہوں نے پاکستان کی مخالفت میں تمام عمر وفاداری بشرط استواری سے کام لیا۔ کانگریس کے صدر کی حیثیت سے مسلم دشمن کارناموں کی وجہ سے قائد اعظم سے "شو بوائے" کا خطاب پایا۔ جسے تاریخ نے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اپنے سینے میں محفوظ کرلیا۔ (جعفرایں زماں صفحہ ۲۳ مطبوعہ گوجرانوالہ ۱۹۸۸ء)

انہوں نے پاکستان کے خلاف زہر اگلتے ہوئے فرمایا:

"میں اس کا اعتراف کرتا ہوں کہ "پاکستان" کا لفظ ہی میری طبیعت قبول نہیں کرتی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ دنیا کا ایک حصہ تو پاک ہے اور باقی ناپاک۔ علاوہ ازیں میں تو ایسا محسوس کرتا ہوں کہ پاکستان کی اسکیم شکست خوردگی کی ایک واضح علامت ہے اس کی تعمیر جس بنیاد پر رکھی گئی ہے وہ ہے یہودیوں کے قومی وطن کی مثال۔" (تاریخ نظریہ پاکستان از پیام شاہجہانپوری مطبوعہ لاہور ۱۹۷۰ء صفحہ ۳۵۱۔ جعفرایں زماں۔ مخالفین قیام پاکستان صفحہ ۲۳)

ابوالکلام، مسلم لیگ سے اس قدر بغض و عناد رکھتے تھے کہ انہوں نے ایک دفعہ خواجہ حسن نظامی دہلوی کو ایک پرچہ پر لکھ دیا تھا:

"سب باتیں منظور باستثنائے شرکت مسلم لیگ۔" (مولانا آزاد اور ان کے ناقد از ایم اے شاہد مطبوعہ ۱۹۸۱ء صفحہ ۴۴)

روزنامہ نوائے وقت لاہور نے ۲۹/جون ۱۹۴۶ء کی اشاعت میں آزاد کی خبر اس طرح لیتے ہیں، اداریہ میں لکھتے ہیں:

ہمیں معلوم نہیں تھا کہ "الہلال" کا ایڈیٹر اور "ترجمان القرآن" کا مصنف راشٹر پتی کی گدی پر بیٹھ کر مفسر قرآن کی بجائے منو کے دھرم شاستر کا شارح بن بیٹھا ہے اور ہندو سماج کو افتراق و انتشار سے بچانے کا فرض بھی اس نے اپنے ذمّے لے رکھا ہے خواہ اس فرض کی ادائیگی میں اسے سات کروڑ اچھوتوں کے جائز حقوق ہندو جاتی کے سامراج کی ہی خاطر غضب کیوں نہ کرنے پڑیں۔ (تحریک پاکستان اور نیشنلسٹ علماء صفحہ ۴۷۵)

ابوالکلام آزاد اور قادیانیت☆

لکھنؤ کے ایک صاحب مختار احمد نے مرزا غلام احمد قادیانی مرتد اور اشاعتِ اسلام میں احمدیوں سے تعاون کرنے کے بارے میں اخبار "الہلال" کے ذریعے مولانا آزاد سے ایک سوال کیا تھا۔

سوال۔ استدعا ہے کہ اپنے خیالات کا اظہار بذریعہ اخبار فرمائیے کہ آپ کے خیالات مرزا صاحب قادیانی (وفات ۱۹۰۸ء) کو مسیح موعود تسلیم کرنے میں کہاں تک وسعت رکھتے ہیں اور احمدی گروہ کی شرکت اشاعتِ اسلام میں مضر ہے یا نہیں۔ (الہلال ۱۴/جنوری ۱۹۱۴ء صفحہ ۲۶)

جواب۔ مولانا آزاد نے بدیں الفاظ اس کا جواب دیا۔ "عزیز من! آج تک اشاعت اسلام کو جس چیز نے روکا ہے۔ یقین کیجیے کہ یہی تَفرقُ وَتشقَتُ فرق اسلامیہ اور عدم تشکیل وحدت الاسلامیہ ہے۔ اسلام نے پہلے ہی دن اس کا سدباب کر دینا چاہا تھا۔ اگر اشاعت اسلام کا کام یہ فرقہ (یعنی فرقہ احمدیہ) اپنا

فرض سمجھتا ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ یہ فرقہ اس میں شریک نہ ہو۔ اس کی صورت صرف یہ ہے کہ ہم لوگ اپنے عقائد کی ایک اصولی تقسیم کردیں۔ چند اولیات کو مشترک قرار دیں اور باقی امور کو مخصوص...... اس کے بعد آئندہ طرز عمل یہ ہو کہ جب کبھی موقع ان مشترک عقائد و مقاصد کا آئے تو ہر قائل کلمہ توحید خدمت و شرکت کے لیے مستعد ہو جائے اور اپنے تمام باہمی مناقشات کو فراموش و نسیاً منسیاً کردے۔ اس طرح تمام اہل قبلہ متحد و متفق ہو جائیں گویا ایک ہی خاندان کے فرزند اور ایک ہی شجرۂ محبت و اخوت کے برگ و بار ہیں۔ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حفظِ ملت و مصلحت وقت کی بنا پر مدینہ کے یہودیوں سے معاہدہ امن کر لیتے تھے۔ تو ہزار تعجب ہے ہم پر کہ حفظِ اسلام یا تبلیغ توحید کے لیے اپنے مخالف فرقہ کو شرکت کار کا موقع نہ دیں اور متحد نہ ہوسکیں...... میں الحمدللہ! اپنے اندر اتنی ایمانی قوت رکھتا ہوں کہ جس امر کو حق تسلیم کر لوں اس کا اسی وقت اعلان بھی کردوں پس میری نسبت یہ سوال محض عبث ہے نہ تو میں کسی شخص کو مہدی یقین کرتا ہوں نہ مسیح موعود۔ میں اعتقاداً توحید و رسالت اور عمل صالح کو نجات کے لیے کافی سمجھتا ہوں۔ اس کے سوا مجھے اور کچھ معلوم نہیں۔ قرآن کریم مسلمانوں کا حقیقی امام ہے...... (الہلال ۱۴؍جنوری)

حاصل مضمون☆

یہ ہے کہ مولانا ابوالکلام آزاد پوری قوت اور بے باکی سے اعلان کرتے ہیں کہ ان کے عقیدے کی رو سے مرزا صاحب نہ مہدی تھے نہ مسیح موعود تھے۔ لیکن اس کے باوجود وہ نہ تو مرزا صاحب کو کافر قرار دیتے ہیں اور نہ اُن کے ماننے والوں کو اسلام سے خارج کرتے ہیں۔ بلکہ دیگر مسلم فرقوں کی طرح ان کو بھی مسلمانوں کی ایک جماعت قرار دیتے ہیں اوراسلام کی اشاعت و سربلندی کے کام میں دوسرے فرقوں کے ساتھ احمدیوں کی شمولیت کو بھی درست سمجھتے ہیں بلکہ جو اشاعتِ اسلام کے کام میں احمدیوں کا تعاون حاصل کرنے سے

مسلمانوں کو روکتے ہیں انہیں قرآنی الفاظ میں اولٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ کی وعید سناتے ہیں (یعنی ایسے لوگوں کے لیے دردناک عذاب مقرر ہے)۔

مولانا آزاد☆

احمدیہ فرقہ سمیت تمام فرقوں کو خاندان اسلام کے فرزند اور ایک ہی شجرہ کے برگ و بار قرار دیتے ہیں۔ یہاں ہمیں سوچنا چاہیے کہ کیا مولانا ابوالکلام آزاد، مرزا صاحب کے دعوؤں سے ناواقف تھے کیا قرآن حدیث تفسیر کا کوئی گوشہ ان کی نگاہوں سے پوشیدہ تھا پھر آخر انہوں نے مرزا صاحب پر کفر کا فتوٰی لگانے سے کیوں اجتناب کیا اور احمدیوں کو شجر اسلام کی شاخ کیوں قرار دیا ہے۔

اہل حدیث و دیوبند☆

ہمارے دور کے دیوبندی اور اہل حدیث علماً میں کوئی بڑے سے بڑا عالم بھی مولانا آزاد کی گرد کو نہیں پہنچ سکتا۔ ہمیں سوچنا چاہیے کہ ہم امتِ مسلمہ اور خود پاکستان کو نقصان تو نہیں پہنچا رہے اور مولانا ابوالکلام آزاد کے (سیاسی نہیں بلکہ) دینی مشن کے بالکل مخالف سمت میں تو نہیں چل رہے؟ (پندرہ روزہ تقاضے لاہور یکم؍جون تا ۱۵؍جون ۱۹۸۵ء)

قادیانی کا جنازہ☆

جھوٹے مدعی نبوت مرزا غلام احمد قادیانی مرتد کے مرنے پر جمعیت علماً ہند اور کانگریس کے رہنما مولانا ابوالکلام آزاد وہاں پہنچے اور مرزا ملعون کا جنازہ پڑھا۔ (ماہنامہ کنزالایمان لاہور ختم نبوت نمبر اداریہ صفحہ ۲۲ ستمبر ۱۹۹۷ء)

آزاد کا انتقال☆

ابوالکلام آزاد ۲۲؍فروری ۱۹۵۸ء کو دہلی میں انتقال کیا۔ بابو راجند

پرشاد، ڈاکٹر رادھا کرشن، پنڈت جواہر لال نہرو و دیگر ہندو رہنما غمزدہ ہوئے۔ روئے اور خوب روئے۔ پنڈت نپت نے درد سے کانپتی ہوئی آواز میں کہا: "مولانا ایسے لوگ پھر کبھی پیدا نہ ہوں گے اور ہم تو کبھی نہ دیکھ سکیں گے۔" راجندر بابو نے آنسوؤں کی سیل میں بھگو کر پھول نچھاور کیے۔ پنڈت نہرو نے گلاب چھڑکا تو بے اختیار ہوگئے۔ لوگوں نہ سہارا دیا اور جب مٹی دینے لگے تو بلک بلک کر رو رہے تھے۔ راجندر بابو دمّہ کے مریض ہونے کے باوجود صبح ہی سے تصویر یاس بنے کھڑے تھے۔ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے اور کہا: آج ۳۸ سال کی دوستی اور رفاقت کا انت ہوگیا۔" (جعفر ایں زماں صفحہ۲۲)

ہندوؤں کو افسوس و صدمہ نہ ہوگا اور کسے ہوگا۔ جس شخص نے اپنا ایمان و مسلمانی بیچ چوراہے پر بیچ دیا، جس نے ہندوؤں کی غلامی کو اسلام پر ترجیح دی اور ساری زندگی ہندوؤں کے حقوق کی جنگ لڑتا رہا اور مسلمانوں کے حقوق پائمال کرتا رہا۔ ایسے شخص کا افسوس فقط ہندوؤں ہی کو ہونا چاہیے۔ مسلمانوں کی نظر میں آزاد کی حیثیت کیا تھی حقیقت تو یہ ہے کہ پاکستان بننے کے بعد وہ اپنی نظروں میں گر گیا تھا۔ نظیر لدھیانوی نے آزاد کے آخری دور کو اشعار میں یوں بیان کیا ہے:

دیکھ کیا حالت ہے اب کشمیر میں آزاد کی	کٹ کے ملت کے شجر سے اُس نے پایا کیا ثمر
قوم کے جوشِ غضب سے ڈر کے ہے رُوپوش آج	جو کبھی اس ملک میں تھا قوم کا نُور نظر

شخصیت کی ملت بیضا کو ہے پرواہ کہاں
ہے وہی آزاد لیکن اب ہمارا ہے کہاں

مولانا حسین احمد مدنی

شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند حسین احمد مدنی ۱۲۹۶ھ/۱۸۷۹ء کو بمقام بانگرمئو ضلع اناؤ (بھارت) میں پیدا ہوئے۔ جہاں آپ کے والد مولانا حبیب اللہ مدرس تھے، ویسے آپ کا وطن اللہ داد پور محلہ مدن پور تحصیل ٹانڈہ ضلع فیض آباد (بھارت) ہے۔ اسی مدن پور کی نسبت سے "مدنی" کہلائے آپ نے درج ذیل مشاہیر دیوبند سے تعلیم و تربیت حاصل کی:

مولوی ذوالفقار علی، مولوی خلیل احمد سہارنپوری (مصنف براہین قاطعہ) مفتی عزیز الرحمٰن دیوبندی اور مولوی حبیب الرحمٰن عثمانی وغیرہ۔

حسین احمد مدنی، دیوبند سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد بالآخر دیوبند کے "شیخ الحدیث" کے منصب پر فائز ہوئے بلکہ علمائے دیوبند نے انہیں "شیخ الاسلام" کا خطاب بھی عنایت فرمایا۔ تحریک خلافت و ہجرت کے دور میں نام کمایا۔ متحدہ قومیت، کانگریس نوازی، ہندوؤں کی غلامی، قائد اعظم دشمنی، پاکستان دشمنی اور مسلمان دشمنی میں شہرت تامہ حاصل کرلی۔ مولانا کی تمام سیاسی ملی کاوشیں اور کوششیں ہندونوازی کا بین ثبوت ہیں۔

یہاں مولانا کی سیاسی فکر و آگہی کا جائزہ لینا مقصود ہے، مضمون میں مخالفت برائے مخالفت نظر نہیں آئے گی بلکہ تاریخ کی حفاظت کے حوالہ سے اصل حقائق واضح کیے جائیں گے تاکہ ماضی کی غلطیوں کو دھرایا نہیں جائے بلکہ ماضی کو دیکھ کر مستقبل سنوارنے کی کوشش کرنی چاہیے!

ترک بسم اللہ☆

یہ انکشاف کتنا بھیانک ہے کہ دیوبند کے شیخ الحدیث مولانا حسین احمد

مدنی جو پیڈ استعمال کرتے تھے اس پر بسم اللہ الرحمن الرحیم کی بجائے ''جے ہند'' لکھا ہوتا تھا۔ (مکتوبات شیخ الاسلام مرتبہ نجم الدین اصلاحی حصہ سوم صفحہ ۴۷ مطبوعہ مکتبہ دینیہ دیوبند ۱۹۵۹ء۔ مولانا بدایونی کی ملی وسیاسی خدمات صفحہ ۳)

ہندوؤں سے عشق☆

مولانا محمد اسماعیل صاحب سنبھلی جو حضرت (مولانا مدنی) کی خلافت سے بھی مشرف ہیں، راوی ہیں کہ ایک مرتبہ ٹرین میں حضرت والا فرسٹ کلاس میں سفر کررہے تھے ایک ھندو صاحب بہادر بھی اسی ڈبہ میں تھے وہ قضائے حاجت کے لیے پائخانہ میں گئے اور فوراً واپس آگئے حضرت شیخ نے بھانپ لیا تھوڑی دیر بعد خاموشی سے اٹھے پاخانہ میں گئے وہ نہایت گندہ ہورہا تھا، اس کو صاف کیا پھر واپس تشریف لائے۔ تھوڑی دیر بعد میں صاحب بہادر سے دریافت کیا۔ آپ پاخانہ سے کیوں واپس آگئے تھے۔ صاحب بہادر نے جواب دیا۔ وہ بہت گندہ ہے۔ حضرت مدنی نے فرمایا: نہیں وہ تو صاف ہے جاکر ملاحظہ فرمایئے۔ صاحب بہادر بے حد متاثر ہوئے۔ (شیخ الاسلام نمبر ۱۴۹، خون کے آنسو صفحہ، بیس بڑے مسلمان صفحہ ۵۱۴)

مسلمانوں سے تو نفرت اور ہندوؤں کے لیے پاخانہ تک کی صفائی، یہ معاملہ کیا ہے؟

کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے

مولانا حسین احمد مدنی کے انہی دینی نظریات و سیاسی خیالات کو دیکھ کر ایک شاعر سے رہا نہ گیا:

ہوا ہے مولویوں کو یہ کیا مرے مولا
لگا رہے ہیں جو مالوی کو سینے سے
یہ مولوی مدنی سے کوئی ذرا پوچھے
''مدن'' سے تجھ کو ہے نسبت یا مدینے سے

زرخرید☆

نامور مسلم لیگی رہنما ایم اے ایچ اصفہانی اپنا چشم دید واقع درج کرتے ہیں: ''آل انڈیا مسلم لیگ پارلیمنٹری بورڈ کے جلسہ ۱۹۳۶ء کے دوران کئی تقریریں ہوئیں جو ہمارے تقریر کرنے کے روائتی شوق کے عین مطابق تھا۔ مجھے یاد ہے کہ پہلے روز مفتی کفایت اللہ دہلوی اور مولانا حسین احمد مدنی نے مسٹر جناح کی تائید کی اور ان کی اس تحریک پر کہ مسلم لیگ کو زندہ سیاست کے اکھاڑے میں لایا جائے خوشنودی کا اظہار کیا۔

لیکن آخری روز ان دو عالموں میں سے ایک نے یہ تجویز پیش کی کہ چونکہ انتخابات میں ایک جماعت کی حیثیت سے مسلم لیگ کی کامیابی کے لیے مؤثر اور مسلسل پروپیگنڈہ کی ضرورت ہوگی لہٰذا دیوبند اپنے تمام ذرائع لیگ کی خدمت میں پیش کردے گا۔ بشرطیکہ پروپیگنڈہ کا خرچ لیگ برداشت کرے۔ اندازہ لگایا گیا کہ شروع میں کوئی پچاس ہزار روپے درکار ہوں گے۔ ظاہر ہے کہ اس وقت لیگ کے صندوقچے میں پچاس تانبے کے سکے بھی نہ تھے۔ صدر اور سکریٹری جو دونوں اعزازی تھے اپنا دفتر اپنے تھیلوں میں اٹھائے پھرتے تھے۔

جون ۱۹۳۶ء میں مسلم لیگ کے پاس کوئی روپیہ نہ تھا اور لہٰذا مسٹر جناح نے مولانا کی یہ پیش کش منظور نہ کرسکے کہ مالی امداد کی شرط پر کہ وہ دارالعلوم دیوبند کے تمام ذرائع تبلیغ ان کے لیے وقف کردیں گے۔

معلوم ہوتا ہے کہ مولاناؤں کو اس سے مایوسی ہوئی اور وہ رفتہ رفتہ ''ہندو کانگریس'' کی طرف ڈھلتے گئے اور کانگریس پارٹی کے لیے پرچار کرنے لگے جو ظاہر ہے کہ ان کے مالی تقاضے پورے کرسکتی تھی یہ میرے لیے ایک تلخ صدمے کا باعث ہوا کیونکہ مجھے یہ توقع نہ تھی کہ خود علمائے دین (دیوبند) مسلمانوں کے راستے میں جو اپنی قومی آزادی کی جدوجہد کررہے تھے، حائل ہو جائیں گے۔ مجھے کبھی بھی یہ یقین نہ آتا تھا کہ ایسے قابل تعظیم حضرات ذاتی اور جماعتی

مفادات کو قوم کے مفادات پر مقدم رکھیں گے۔'' (قائداعظم جناح جیسا میں انہیں جانتا ہوں صفحہ ۴۳ مطبوعہ لاہور ۱۹۹۴ء)

بجنور میں مسلم لیگ ہار گئی اسی دوران مولوی حسین احمد مدنی کے نام کانگریس کا سات سو کا منی آرڈر ایک مسلم لیگی کلرک نے پکڑ لیا۔ جس پر مولوی ظفر علی خان ایڈیٹر زمیندار لاہور نے صاف صاف لکھا:

غداری وطن کا صلہ سات سو فقط	ایماں ہی بیچنا ہے تو ستا نہ کیجئے
بھرنا ہی پیٹ ہے تو طریقے ہیں اور بھی	دو روٹیوں پہ اسلام کو بیچا نہ کیجئے
شائستگی سے دیجئے گر بن سکے جواب	ورنہ ابھی سے مشق تبرا نہ کیجئے
اسلام کو نہ مفت میں بدنام کیجئے	حجرے میں جاکے بیٹھئے آرام کیجئے

(روزنامہ نوائے وقت لاہور ۴ر نومبر ۱۹۴۵ء۔ جعفرانِ ایں زماں)

عبداللہ سیٹھی صاحب لکھتے ہیں:

کانگریس کے فنڈز سے کانگریس کے ساتھ ملحقہ سیاسی جماعتوں کو بھی روپیہ دیا جاتا تھا اور اسی فنڈ سے مولانا مدنی کو، جمعیت علمائے ہند کو اور ان کے اخبار الجمعیت کو مالی اعانت دی جاتی تھی۔ جب سیاسی تحریکات چلتی تھیں تو کانگریسی لیڈروں کے سفر و حضر کا خرچہ بھی انہیں فنڈز سے چلتا تھا۔ جب لیڈر قید ہو جاتے تھے تو اسی فنڈ سے روپیہ سیاسی قیدیوں کے گھروں پر پہنچایا جاتا تھا تا کہ تالیف قلوب بھی ہوتی رہے اور گھر والوں کے نان و نفقہ کا بھی بندوبست ہوتا رہے۔ نہرو کو چھوڑ کر باقی دوسرے چوٹی کے لیڈر مثلاً راجندر بابو پٹیل، مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا حسین احمد مدنی، عبدالغفار خان (سرحدی) نے اپنی زندگیاں کانگریس کے لیے وقف کر رکھی تھیں اور خاص طور پر مولانا آزاد اور مولانا مدنی

کا کوئی اپنا کاروبار یا روزگار نہ تھا۔ اور ان کی سوچ یہ تھی کہ جس طرح ایک بڑی سیاسی جماعت دوسری ملحقہ سیاسی جماعتوں کے ورکرز کو خرچہ وغیرہ دیتی ہے اسی طرح ان مسلمان لیڈروں اور ان کی جماعتوں کو بھی کانگریس مالی امداد فراہم کرتی ہے جو ان کے خیال میں شرعاً ناجائز نہ تھا۔

دیکھنا یہ ہے کہ کانگریس کا یہ روپیہ جن ذرائع سے آتا تھا وہ کیا تھے؟ بلامبالغہ ۹۹ فیصدی رقم ہندوؤں کی طرف سے آتی تھی جو خالصتاً سُود در سُود سے حاصل ہوتی تھی یا ہندو ساہوکار مسلمانوں کو سودی قرضے دے کر وصول پاتے تھے۔ یعنی خاص اسلامی شرعی نقطۂ نظر سے یہ روپیہ حرام کی کمائی سے حاصل ہوتا تھا اور پھر یہی روپیہ مسلمان لیڈروں بشمول مولانا حسین احمد مدنی کو بھی ملتا تھا۔ (روزنامہ نوائے وقت لاہور ۱۴ر نومبر ۱۹۸۳ء، جعفران ایں زماں)

متحدہ قومیت کا جنون اور دو قومی نظریہ کا صاف صاف انکار☆

مولانا حسین احمد مدنی نے جنوری ۱۹۳۸ء میں صدر بازار دہلی میں ایک جلسہ سے خطاب کرتے ہوئے کہا: ''قومیں وطن سے بنتی ہیں مذہب سے نہیں۔'' اور مسلمانوں کو نہایت غیر مبہم الفاظ میں مشورہ دیا کہ وہ اپنی سیاست کی بنیاد ''متحدہ قومیت'' کے نظریے پر قائم کریں۔ حضرت اقبال نے اس نظریہ پر مخصوص انداز میں ایک ضرب رسید کی اور فارسی کے تین اشعار کا یہ مشہور قطعہ تصنیف کیا۔

(تاثرات و تصورات تالیف عبدالوحید خان صفحہ ۲۶۷، جعفر ایں زماں صفحہ، اقبال کا آخری معرکہ صفحہ)

عجم ہنوز نداند رموز دیں ورنہ	ز دیوبند حسین احمد ایں چہ بوالعجبی است
سرود برسر منبر کہ ملت از وطن است	چہ بے خبر ز مقام محمد عربی است
بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ است	اگر بہ او نرسیدی تمام بولہبی است

(ارمغانِ حجاز صفحہ ۲۷۸ لاہور)

راجہ حسن اختر نے مذکورہ فارسی قطعہ کی تضمین اردو میں تصنیف فرمائی جو کہ درج ذیل ہے:

یہ شان دیں ہے باطل کی پیروی کرنا؟
حرم سے اڑ کر بتکدہ پہ جا مرنا
ردائے علم کو گاندھی کے پاؤں پر دھرنا
بھلا کے مصلحت دیں اور بھلا کے عہد الست
بتان دیر کے غمزدوں پہ ہو گیا بدمست
وہ قوم کون سی ہے، جس کا ہے یہ ''قوم پرست''

مسلمانوں کا مذہبی وتہذیبی تشخص مسلمہ تھا اور ہے، وہ کبھی ہندوؤں میں ضم نہ ہوا تھا۔ لیکن مولانا حسین احمد مدنی نے عالم ہونے کے باوجود مسلم قومیت کی حمایت وتحفظ کی کوششوں کو غیر فطری اور انگریزوں کی چال اور سازش قرار دیا جمعیت علمائے ہند، لکھنؤ کے اجلاس منعقدہ ۱۹۴۷ء میں جو کچھ کہا گیا اس پر قوم پرست نظریات کا پرچار کرنے والا رسالہ ''مولوی'' دہلی رقمطراز ہے:

''علمائے کانگریس کی جمعیت کا ''تاریخی اجلاس'' ابھی لکھنؤ میں ہوا۔ جو تقریریں ہوئیں جو تجویزیں پاس ہوئیں ان میں تعجب اور حیرت سے زیادہ عبرت کا سامان نظر آیا۔ جناب حسین احمد صاحب نے اپنے خطبہ صدارت میں چند ایسی باتیں کہیں جن پر تاریخ کا معمولی طالب علم بھی ہنس پڑے گا۔ جناب مدنی صاحب کے معتقد انہیں چلتا پھرتا ''انسائیکلوپیڈیا'' کہتے ہیں لیکن انہوں نے ہندو مسلم مناقشہ کو تیسری طاقت کا پیدا کیا ہوا اور غیر فطرتی بتایاہے۔

انہوں نے یہ بھی کہا کہ انگریزوں کے آنے سے پہلے ہندو

اور مسلمان باہمی اتحاد کے ساتھ بھائیوں کی طرح رہتے تھے جو کچھ جھگڑے اٹھائے ہیں وہ انگریزوں نے اٹھائے ہیں۔ یہ (مولانا کا) بیان سراسر تاریخ کے خلاف ہے۔''

(رسالہ مولوی دہلی شمارہ رجب ۱۳۶۶ھ/ جون ۱۹۴۷ء بحوالہ ابوالکلام آزاد کی تاریخی شکست صفحہ ۶۲)

مولوی حسین احمد جو خود کو ''مدنی'' کہلواتا ہے، حرمین شریفین میں اپنی زبان سے کہہ رہا تھا ''ہندوستان میں مرنا اور کانگریسیوں کی خدمت کرنا جوار رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میں مرنے اور مسجد نبوی میں درس دینے سے افضل ہے'' (نعوذ باللہ)

(ہفت روزہ دبدبہ سکندری رامپور ۱۱ر نومبر ۱۹۴۶ء صفحہ ۳ بحوالہ کنزالایمان لاہور تحریک پاکستان نمبر صفحہ ۲۳۸)

مولانا حسین احمد مدنی صاحب تقریر فرمارہے تھے کہ کسی نے کہا: حضرت! کیا ہم پنڈت نہرو کا تتبع کریں جو نہ صرف مسلمان ہی نہیں بلکہ خدا کی ہستی کا بھی منکر ہے۔ مولانا نے فرمایا: اس کے مقابلے میں ذرا مسٹر جناح کا فوٹو تو دیکھو، گویا مولانا کا مقصود یہ تھا کہ وہ بھی داڑھی منڈا ہے ''تیلی رے تیلی تیرے سر پر کولھو'' اسے کہتے ہیں۔''

(ماہنامہ حقیقت اسلام لاہور اکتوبر ۱۹۳۸ء صفحہ ۳ بحوالہ ماہنامہ کنزالایمان لاہور تحریک پاکستان نمبر ۲۲۹)

تحریک پاکستان کے مخلص کارکن جناب عبدالوحید خان نے گہرے مطالعے ومشاہدے کے بعد اس طرح تجزیہ پیش کیا ہے:

مولانا آزاد، مولانا حسین احمد مدنی اور اقبال جیسی عظیم المرتبت ہستیوں سے کتنا ہی اختلاف ہو ان کے کمالات اور صفات سے کوئی شخص آنکھیں بند نہیں کرسکتا۔ لیکن اس حقیقت سے کون انکار کرسکتا ہے کہ یہ حضرات دو مختلف مکاتب خیال کے نمائندے تھے۔ اول الذکر دونوں حضرات متحدہ قومیت (ہندو ومسلمان) کے داعی، سیکولر حکومت کے حامی اور مسلم وغیر مسلم افراد کی مشترکہ حکومت اور متحدہ کلچر کے طرف دار تھے۔ جب کہ حضرت اقبال وطنیت اور متحدہ قومیت

دشمن اور خالص اسلامی اور قرآنی نظامِ حکومت کے مبلغ اور علمبردار تھے۔(تاثرات و تصورات مطبوعہ لاہور ۱۹۶۰ء بحوالہ اقبال کا آخری معرکہ)

ایڈیٹر روزنامہ نوائے وقت مولانا مدنی کی تقریر پر تجزیہ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

مولانا حسین احمد حال ہی میں جیل سے رہا ہوئے ہیں۔ ہمیں توقع تھی کہ جیل سے باہر آ کر وہ بدلے ہوئے حالات کا جائزہ لیں گے اور اپنے تجربہ اور علم و بصیرت سے مسلمانوں کو فائدہ پہنچائیں گے لیکن آسام میں ان کی ایک دو تقریریں پڑھ کر بہت صدمہ ہوا۔ آج ان کا ایک انٹرویو دیکھا ہے جو انہوں نے الہ آباد میں کسی اخباری نمائندہ کو دیا۔ اس انٹرویو میں مولانا کی طرف یہ الفاظ منسوب کیے گئے ہیں کہ "جمعیت العلماءَ کی ورکنگ کمیٹی نے اس تجویز پر غور کیا ہے کہ فرقہ وارانہ سمجھوتہ کے لیے قوم پرست مسلمانوں کو منظم کیا جائے۔ ہمیں یقین ہے کہ مسلم لیگ کی پالیسی ہندوستان اور مسلمانوں کے لیے نقصان دہ ہے ان حالات میں مسلم لیگ سے ہمارا کوئی سمجھوتہ نہیں ہوسکتا۔"

لیگ کے نصب العین میں کوئی بُرائی ہے؟ زیادہ سے زیادہ آپ یہی کہیں گے کہ مسلم لیگ کے بعض لیڈروں کی زندگی غیر اسلامی ہے ان کا فکر غیر اسلامی ہے وہ خود غرض ہیں۔ نفس پرست ہیں بجا ارشاد ہوا۔ مگر ایسے لوگ کس جماعت اور کس گروہ میں نہیں؟ گستاخی معاف کیا علماءَ کے گروہ میں غیر اسلامی زندگی بسر کرنے والے عالم نہیں؟ کیا علماءَ میں نفس پرست اور خود غرض نہیں؟ اور کیا کانگریس بے غرض اور بے نفس فرشتوں کا گروہ ہے؟ کیا کانگریس میں گاندھی، نہرو، پٹیل اور پنت سبھی کی زندگیاں خالص اسلامی ہیں؟ کیا کانگریس کا فکر اسلامی ہے؟ کیا کانگریس کا نصب العین اسلامی ہے؟ کیا کانگریس کی پالیسی اسلامی ہے؟ اگر ان سب سوالوں کا جواب نفی میں ہے تو حضرت مولانا ہی فرمائیں کانگریس کے غیر اسلامی ہونے کے باوجود اس کے غیر اسلامی نصب

العین اور پالیسی کے باوجود اس کے ارکان کی ۹۹ فیصدی ہندویت کے باوجود حضرت مولانا اور جمعیت علماءَ، کانگریس سے سمجھوتہ کرسکتے ہیں تو مسلم لیگ اور ان کروڑوں مسلمانوں کا جو لیگ سے وابستہ ہیں کیا قصور ہے کہ مولانا انہیں اپنی رہنمائی سے محروم کرنا چاہتے ہیں؟ کیا ان کا گناہ صرف یہی تو نہیں کہ وہ خام کار و غلط کار ہی نہیں بلکہ مسلمان بھی ہیں۔"

(روزنامہ نوائے وقت لاہور ۲۴ رنومبر ۱۹۴۴ء کا اداریہ بحوالہ تحریک پاکستان اور نیشنلسٹ علماءَ صفحہ ۴۶۴ مطبوعہ لاہور ۱۹۶۶ء)

ایڈیٹر محترم اداریہ میں مولانا سے سوال پوچھتے ہیں:

"اب میں مولانا حسین احمد سے دریافت کرتا ہوں کہ وہ کس طرح مسلم لیگ کی پالیسی کو ملک اور ملت کے لیے نقصان رساں بتارہے ہیں۔ کیا مسٹر گاندھی کے نظریہ قومیت نسلی کا انکار کرنا اور ہندونسلوں سے نکل کر دائرہ اسلام میں داخل ہونے والے دس کروڑ ہندی الاصل مسلمانوں کو بربنائے ملت اسلام ایک مسلم قوم بنانا خلاف واقعہ خلاف اصل اور خلاف مفاد ملت ہے۔ کیا مسلمانوں کا مفاد یہی ہے کہ مسلمان کفر و جاہلیت کی بنا قومیت اور وجہ جامعیت کے سامنے سپر انداز ہو جائیں اور دین و ایمان اور قبلہ و رسالت محمدی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے اساس پر ایک عالمگیر قومیت بنانے کے قرآنی نصب العین سے دست بردار ہوجائیں۔

خدارا مولانا! بتائیں کہ آخر مفاد اسلام کیا ہے اور لیگ نے کس طرح اس کی مخالفت کی ہے کیا دس کروڑ کلمہ گویانِ اسلام کی گردنوں کو بدترین کافرول اور مشرکوں کے ہاتھوں میں آنکھ بند کرکے دے دینا مفاد اسلام ہے یا ان دس کروڑ کلمہ گویانِ اسلام کے لیے آزادی استقلال اور حاکمیت وسلطنت حاصل کرنا مفاد اسلام ہے۔" (بحوالہ جعفران ایں زماں صفحہ ۹۲)

حالات کے پیشِ نظر مولانا ظفر علی خاں نے جو کہا وہ درست معلوم ہورہا ہے:

مسلمان کا پھٹا تہبند، نہ کچھ بھی اس کے کام آیا
نچھاور ہوگئی شرعِ نبی، زرتار دھوتی پر
''حسین احمد'' سے کہتے ہیں خزف ریزے مدینے کے
کہ لٹو آپ بھی کیا ہوگئے سنکھم کے موتی پر

قائداعظم کی شادی پر بے جا تنقید☆

بتاریخ ۱۸/اپریل ۱۹۱۸ء کو رتی پٹیٹ نے جامع مسجد بمبئی کے پیش امام اور معروف عالم دین مولانا نذیر احمد خجندی صدیقی کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔ رتی پٹیٹ کا اسلامی نام مریم بائی رکھا گیا۔ دوسرے روز بروز جمعہ صبح ۹ بجے قائد اعظم کی کوٹھی پر ہی رتی اور محمد علی جناح اسلامی طریقے کے مطابق رشتۂ ازدواج میں منسلک ہوگئے۔ (خواجہ رضی حیدر کی تحقیق ملاحظہ کیجیے ''رتی جناح'' صفحہ ۴۶)

یہی وجہ تھی کہ جس وقت یہ شادی ہوئی تو کسی بھی مسلمان نے اس شادی پر اعتراض نہیں کیا بلکہ غیر مسلموں کی جانب سے کی جانے والی احتجاجی کارروائیوں اور اعتراضات کا جواب مسلم اخبارات نے بڑی شد و مد سے دیا لیکن اس شادی کے تقریباً ۲۸ سال بعد جب کہ محمد علی جناح اسلامیان ہند کے قائد اعظم کی حیثیت سے حصول پاکستان کے لیے جدوجہد میں مصروف تھے مجلس احرار اور جمعیت علمائے ہند کے بعض معتبرین نے جو کانگریس کی کاسہ لیسی میں تاویلات سے ''قرآن کو پازنگ'' بنانے کی مزموم کوششوں میں لگے ہوئے تھے قائداعظم کی حیثیت کو گھٹانے اور مسلم لیگ کو بدنام کرنے کے لیے اس شادی کو غیر اسلامی قرار دے دیا۔

خصوصاً مجلس احرار کے ناظم اعلیٰ مولانا مظہر علی اظہر، تحریک خاکسار کے قائد علامہ عنایت اللہ مشرقی اور مولانا حسین احمد مدنی نے ۱۹۴۵ء میں محمد علی جناح کی رتی پٹیٹ سے شادی کے متعلق بلاتحقیق کہہ دیا کہ ۱۹۱۸ء میں محمد علی جناح نے رتی پٹیٹ سے سول میرج کی تھی جو یقیناً غیر اسلامی تھی۔ مولانا حسین احمد مدنی

اس ضمن میں اتنے سرگرم تھے کہ انہوں نے ''سول میرج اور لیگ'' کے عنوان سے ایک کتابچہ بھی لکھ دیا۔ مولانا حسین احمد مدنی نے اپنے فتوے میں حالات و واقعات کو توڑ مروڑ کے پیش کرنے کے بعد مسلم عوام سے استفسار کیا ہے کہ ''کیا ایسی کیفیت ظاہر ہو جانے کے بعد بھی وہ اپنے لیے جائز و صحیح سمجھتے ہیں کہ وہ ایک ایسے شخص کو اپنا قائد اعظم اور سردار بنائیں یا اس کی تائید کریں یا اس کو ووٹ دیں۔'' (سول میرج اور لیگ صفحہ ۶ مطبوعہ دفتر جمعیت علمائے ہند دہلی بحوالہ رتی جناح صفحہ ۶۴)

اس شر انگیز بیان جاری کرنے کا مقصد مسلمانوں کے سیاسی لیڈر قائد اعظم کو بدنام کرنا، مسلم لیگ کو کمزور بنانا اور مسلمانوں میں غلط فہمیاں پیدا کرکے ان کی قوت کو پارہ پارہ کرکے اپنے امام گاندھی کی رضا جوئی حاصل کرنا تھا۔ ہم یہاں مولانا کے جواب میں ایک ہندو اخبار کا حوالہ پیش کرتے ہیں جو کہ لاہور کے مشہور ہندو اخبار ''ٹریبیون'' نے ۲۱/اپریل ۱۹۱۸ء کی اشاعت میں خبر شائع کی کہ ''آج (۱۹/اپریل) شام کو اسلامی شریعت کے مطابق مس رتن بائی کی شادی آنریبل مسٹر ایم اے جناح کے ساتھ ہوگئی۔''

ہندوؤں نے بھی مانا کہ یہ شادی سول میرج نہیں بلکہ اسلامی شریعت کے مطابق ہوئی ہے لیکن انکار ہے تو صرف کانگریسی علماء کو اور وہ جان بوجھ کر ایک حقیقت کو مسخ کرنے کی کوشش میں لگے رہے۔

اتباعِ سنّت سے بیزاری☆

مولانا پیر محمد ہاشم جان سرہندی مجددی روایت کرتے ہیں کہ سندھ کے ایک سیاسی جلسے میں مولانا حسین احمد دیوبندی نے علماء اور عوام کے سر سے عمامے اتروا کر ''گاندھی کیپ'' اوڑھائی جو وہ خود اپنے ساتھ لائے تھے۔ (تنقیدات و تعاقبات صفحہ ۱۳۲ مطبوعہ لاہور ۱۹۸۸ء)

مولانا حسین احمد کے دیرینہ ساتھی ہم مسلک و استاد بھائی مولانا عبید اللہ سندھی کی بھی سنیئے، وہ صدارتی خطبہ میں سرعلام فرماتے ہیں :......ہمیں اپنی

معاشرت میں انقلاب کی ضرورت محسوس ہوگی۔ سندھی اپنے وطن کا بُنا ہوا کپڑا پہنے مگر وہ کوٹ پتلون کی شکل میں ہوگا یا کالردار قمیض اور نیکر کی صورت میں مسلمان اپنا نیکر گھٹنے سے نیچے تک استعمال کرسکتے ہیں۔ ہیٹ دونوں صورتوں میں بے تکلف استعمال کیا جائے گا۔ جب مسلمان مسجد میں آئے گا ہیٹ اتار کر ننگے سر نماز پڑھے گا۔'' (بحوالہ مسئلہ قومیت صفحہ ۷۱، بحوالہ خون کے آنسو)

عبارت واضح ہے کہ کانگرسی کون سا انقلاب لانا چاہتے تھے کہ مسلمان کی معاشرت مغربی ہو، اتباع سنّت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی سے آزاد ہو یعنی صرف نام کے مسلمان ہوں۔ اس سے یہ بھی واضح ہوگا کہ وہ کن کے لیے کام کررہے تھے یا دیگر الفاظ وہ کن کے ایجنٹ تھے؟ جو لوگ مسلمانوں کو انگریز بنانے کے لیے جدوجہد کررہے تھے کیا ان کو علماءِ دین کے زمرے میں شامل کیا جاسکتا ہے؟

شیخ الحدیث دیوبند کا ہانڈی سے منہ لگا کر پینا☆

''۱۹۲۹ء میں امروہہ میں جمعیت العلماءِ ہند کا جو عظیم الشان اجلاس ہوا تھا اس موقع پر آم چل رہے تھے۔ ہمارے یہاں مولانا ٹانڈوی کو دعوت دی گئی۔ گھر میں جب تشریف لائے تو گوشت کی ہانڈی پکی رکھی تھی حضرت نے ازراہِ خوش طبعی و بے تکلفی ہانڈی سے ہی دہن مبارک لگا کر شوربہ پینا شروع کردیا۔ جملہ ہمراہی یہ دلچسپ (یا بداخلاقی کا) منظر دیکھ کر بے ساختہ قہقہہ لگانے پر مجبور ہوگئے۔'' (شیخ الاسلام نمبر صفحہ....)

میزبان سے استفسار کیے بغیر ہانڈی سے منہ لگا کر شوربہ پینا شروع کردیا۔ سرِمجلس اس بداخلاقی حرکت پر کسی نے ٹوکا روکا نہیں بلکہ سبھی اس گری ہوئی حرکت پر قہقہے لگا کر لطف اندوز ہوئے جیسے کسی مسخرے کی مسخری پر لوگ قہقہہ مارتے ہیں۔ فقہاءِ کرام نے مہمان کو دسترخوان کے بچے ہوئے شوربے کو (منہ لگا کر) پینے سے منع فرمایا ہے چہ جائیکہ دسترخوان پر آنے سے پہلے ہی

اس کا صفایا کرکے میزبان کی ہانڈی لوٹی جائے۔ (خون کے آنسو)

مہمان کو پچھاڑنا☆

مضمون نگار رقمطراز ہے: والد صاحب ایک مرتبہ دیوبند آپ کی خدمت میں حاضر تھے حضرت ٹانڈوی نے فرمایا: مٹھائی کھلائیے۔ والد صاحب نے فرمایا: مٹھائی تو آپ کھلائیے میں آپ کا مہمان ہوں۔ مگر حضرت نے نہ مانا۔ کچھ دیر تو اصرار کیا لیکن جب اس طرح کام نہ چلا تو حضرت مولانا ٹانڈوی (حسین احمد مدنی) نے والد صاحب کو پچھاڑ کر ان کی جیب سے روپیہ نکال کر مٹھائی منگائی۔ (شیخ الاسلام نمبر صفحہ ۵)

معلوم ہورہا ہے کہ مولانا مدنی مہمان کی عزت، محفل کے آداب، تمیز لحاظ، اخلاق وشرافت سے بالکل آزاد تھے۔ اتباع سنت سے بیزاری، ہانڈی سے منہ لگا کر پینا اور مہمان کو پچھاڑنا جیسے واقعات سے کسی مسخرے کا تصور ابھر رہا ہے نہ کہ کسی عالم دین کا۔ اللہ تعالیٰ ایسی تہذیب یافتہ علماء کی صحبت سے ہمیشہ کے لیے محفوظ رکھے۔ آمین

اسی واقعہ پر نظامی مرحوم نے جو تبصرہ کیا ہے وہ ہدیہ قارئین ہے رقمطراز ہیں:

> راوی یہ لکھنا بھول گیا کہ مولانا ٹانڈوی نے جب اس کے والد کو پچھاڑا تھا تو طلباء نے جوش مسرت میں قہقہے ہی پر اکتفاء کیا یا نعرہ تکبیر بھی بلند کیا تھا بہرکیف خواہ قہقہے لگے ہوں یا نعرہ تکبیر کی صدائیں گونجی ہوں ہمیں تو ایک لمحہ کے لیے ناظرین کو صفحہ کتاب سے ہٹا کر دیوبند کے دارالحدیث میں لے جانا ہے اور دنیائے تصور میں اکھاڑ پچھاڑ کا یہ حسین منظر کہ مہمان نیچے ہے اور کئی من کا لاشہ اس کے سینے پر بیٹھ کر جیب سے روپیہ نکال رہا ہے اور یہ پچھڑا ہوا انسان مولانا ٹانڈوی کی جھاڑ پھونک سے چاروں شانہ چت نہیں ہوا بلکہ

لفظ ''پچھاڑنا'' خود بتا رہا ہے کہ کچھ دیر تک ہاتھا پائی ہوتی رہی اور داؤں پیترے چلے۔ اس کے بعد کہیں مولانا ٹانڈوی اس پر قابو یافتہ ہوئے۔ یہ ہیں حضرات دیوبند کے کھدر پوش اجودھیا باشی شیخ الاسلام۔'' (خون کے آنسو صفحہ ۴۴ مطبوعہ الہ آباد انڈیا ۱۹۶۲ء)

اتنا نہ بڑھا پاکئ داماں کی حکایات
دامن کو ذرا دیکھ ذرا بند قبا دیکھ

مولانا عبید اللہ سندھی

عبید اللہ سندھی سیالکوٹ (پنجاب) کے ایک گاؤں (چیانوالی) میں ۱۰ر مارچ ۱۸۷۲ء کو ایک سکھ گھرانے میں پیدا ہوئے ان کے والد رام سنگھ ان کی پیدائش سے چار ماہ پہلے فوت ہو چکے تھے. عبید اللہ کے دو ماموں جام پور ضلع ڈیرہ غازی خان میں پٹواری تھے. یہ خاندان ان کے پاس چلا آیا. مولانا کی تعلیم ۱۸۷۸ء میں جام پور کے مڈل اسکول میں تیسری جماعت سے شروع ہوئی۔

وھابیت کا مطالعہ☆

۱۸۴۸ء میں اسکول کے ایک آریہ سماجی لڑکے نے ان کو ''تحفۃ الھند'' نامی کتاب لا کر دی. مولانا نے اس کا گہرا مطالعہ کیا اور آہستہ آہستہ وہابیت کے نقوش ان کے دل پر ثبت ہوتے گئے. پھر سونے پر سہاگہ کہ مولوی اسماعیل دہلوی وہابی کی (رسوائے زمانہ) کتاب ''تقویۃ الایمان'' نے ان کی ایمانی صلاحیت کو اور تقویت دی. مولوی محمد صاحب لکھوی (غیر مقلد وہابی) کی پنجابی تصنیف ''احوال آخرت'' سے مولانا نے نماز کا طریقہ سیکھا اور اپنا نام خود ''عبیداللہ'' تجویز کیا. (یہی بات مولانا عبیداللہ سندھی کے افکار و خدمات کے صفحہ ۴۷ پر بھی درج ہے) ۱۵ر اگست ۱۸۸۷ء کو اپنا گھر بار چھوڑ کر اپنے رفیق عبدالقادر کے ساتھ کوٹ رحم شاہ ضلع مظفر گڑھ (پنجاب) پہنچے اور اپنے اسلام قبول کرنے کا اعلان کیا. اعزہ نے پیچھا کیا تو وہ سندھ کی طرف روانہ ہوگئے. سندھ میں اہل سنت و جماعت کے نامور پیر حضرت حافظ محمد صدیق قادری قدس سرہ (بانی درگاہ بھرچونڈی شریف) کے پاس تحفظ حاصل کیا۔ اس کے بعد وہابیت کے مرکز دیوبند (انڈیا) روانگی سے پہلے ریاست بہاولپور کی ایک دیہاتی مسجد میں عربی کی ابتدائی کتابیں پڑھیں، پھر دین پور پہنچے وہاں مولانا

غلام محمد دینپوری اور مختلف اساتذہ سے تعلیم حاصل کرتے رہے۔ یہاں تک کہ دیوبند پہنچے اور ۱۸۸۹ء میں مولانا محمود حسن دیوبندی سے مختلف دینی کتب کا درس لیا۔گنگوہ میں مولوی رشید احمد گنگوہی سے سنن ابی داؤد کے کچھ اسباق پڑھے۔

سندھ میں واپسی☆

۲۰/جمادی الآخر ۱۳۰۸ھ (۱۸۹۰ء) کو عبید اللہ سندھی درگاہ بھر چونڈی شریف (ضلع گھوٹکی) واپس آئے لیکن حضرت حافظ صاحب کا مولانا کے آنے سے دس دن پہلے وصال ہو چکا تھا۔

عبیداللہ، امروٹ میں☆

مولانا عبیداللہ، مولانا تاج محمود امروٹی کے پاس امروٹ (ضلع شکارپور) گئے۔ وہ بھی کمال شفقت سے پیش آئے اور بمنزل باپ کے ثابت ہوئے۔انہوں نے ہی عبیداللہ کی شادی (سکھر کے پٹھان) مولوی محمد عظیم کی لڑکی سے کرائی۔

عبیداللہ کا مسلک☆

مولانا سندھی جس مکتبہ فکر کی نمائندگی کرتے ہیں اس کا سلسلہ مولانا محمد قاسم نانوتوی سے شروع ہو کر مولانا محمد اسماعیل دہلوی تک پہنچتا ہے۔خود انہوں نے تحریر فرمایا ہے کہ ''میری علمی اور سیاسی ترقی میں ان بزرگوں کا ہاتھ ہے۔''

سیاسی رجحان☆

مولانا سندھی نے لکھا ''مولانا اسماعیل دہلوی کے حالات پڑھے اور ان کے حالات نے مجھے بے حد متاثر کیا۔ دیوبند کی طالب علمی کے زمانے میں مولانا عبدالکریم دیوبندی نے سقوط دہلی کا آنکھوں دیکھا حال بیان کیا تھا۔

☆مولانا اسماعیل شہید نے میرے فکر ونظر میں ایک عظیم تبدیلی پیدا کی اور میری فکر ونظر کا سانچا بدل گیا۔

☆۱۹۲۲ء میں امیر امان اللہ کے دور میں مولانا نے کانگریس کمیٹی کابل کا الحاق ڈاکٹر انصاری کی کوششوں سے انڈین نیشنل کانگریس سے کر دیا اور مولانا اس کے پہلے صدر قرار پائے۔

☆۱۹۲۲ء ہی میں مولانا ترکی گئے۔ اس کے علاوہ سات ماہ ماسکو میں رہے اور سوشلزم کا مطالعہ اپنے رفیقوں کی مدد سے کرتے رہے۔ تین سال تک مولانا ترکی میں رہے اور تحریک اتحاد اسلام کا تاریخی مطالعہ کیا(ماخوذ: تاریخ سندھ جلد۳ صفحہ)

عبیداللہ کا مرشد☆

خود بتاتے ہیں: ''مسئلہ توحید (ابلیسی توحید) کو صحیح طرح سمجھنے میں مولانا اسماعیل دہلوی کی کتاب ''تقویۃ الایمان'' نے میری رہنمائی کی تھی۔ چنانچہ میں حضرت مولانا کو شروع ہی سے اپنا ہادی اور مرشد مانتا ہوں۔'' (عبیداللہ سندھی افکار و خدمات صفحہ۴۶ مؤلف دین محمد وفائی مرتبہ و مترجم ڈاکٹر ابوسلمان سندھی مطبوعہ لاہور ۱۹۹۵ء)

شادی و اولاد☆

مولانا امروٹی نے اسلامیہ اسکول سکھر کے ایک استاد محمد عظیم خان یوسف زئی کی لڑکی سے آپ کا نکاح کرادیا۔ جس کے بطن سے آپ کو دو صاحبزادیاں پیدا ہوئیں۔(یدبیضا صفحہ۹۰) مولوی احمد علی لاہوری دیوبندی مولانا سندھی کے بہت ہی منظور نظر تھے۔ آپ نے مدرسہ دارالارشاد میں تدریس کا کام شروع کیا تو مولانا سندھی نے پہلی اہلیہ سے اپنی بیٹی مریم کا نکاح آپ سے کردیا۔شادی کے تقریباًایک سال بعد ایک بیٹا ہوا جس کا نام حسن رکھا گیا۔(امروٹی کے بیٹے کا نام بھی حسن تھا) مگر بیٹا انتقال کر گیا اور احمد علی کی اہلیہ بچے کی موت کے دوسرے دن انتقال کر گئیں۔ دونوں کی قبریں گوٹھ پیر جو جھنڈا کے عام قبرستان میں

ہیں جہاں احمد علی کی والدہ بھی آسودہ خاک ہیں۔ (مرد مومن صفحہ ۲۷) مولانا سندھی نے اپنی دوسری بیٹی کو اپنے استاد و ہم مسلک دوست مولانا غلام محمد دین پوری (دین پور تحصیل خانپور ضلع رحیم یار خاں) کی تولیت میں دے گئے تھے اور فرما گئے تھے کہ بلوغ کے بعد کوئی مناسب رشتہ آئے تو اس کا عقدِ مسنون کر دیا جائے۔ (مولانا عبیداللہ سندھی افکار و خدمات صفحہ ۱۳۳)

لیکن مولانا غلام محمد کو شاید ''مناسب رشتہ'' نہیں ملا یا پھر خود اپنے سے زیادہ مناسب نہیں تھا اس لیے خود ہی اس لڑکی سے شادی کر لی۔ اس لڑکی سے غلام محمد دین پوری کو ایک بیٹا مولوی ظہیر الحق (نواسہ مولانا سندھی) تولد ہوا۔

مولانا سندھی کی پہلی اہلیہ فوت ہوگئی تو غلام محمد دین پوری نے آپ کا دوسرا نکاح مولوی احمد علی لاہوری کی والدہ بیوہ سے کر دیا (یدبیضا) مذکورہ واقعات کا سندھ سے کوئی بھی وابستگی ظاہر نہیں ہوتی، نہ وہ سندھی بول سکتے تھے نہ لکھ سکتے تھے لیکن اس کے باوجود سندھی کہلوانے میں بضد تھے۔ سندھی کہلوا کر اہل سندھ کے جذبات سے کھیلتے رہے۔ لیکن اہل سندھ اس کے دو احسان کو کبھی نہیں بھول سکتے۔

۱۔ سندھ میں نئے فرقے وہابیت کی دعوت و تنظیم سازی اور

۲۔ سندھ کو دارالحرب قرار دے کر کانگریسی مولویوں تاج محمود امروٹی، محمد صادق کڈھ (لیاری) دین محمد وفائی (ایڈیٹر توحید کراچی) حکیم فتح محمد سیوہانی، شیخ عبدالمجید سندھی وغیرہ کے پُرجوش خطابات سے مسلمانوں کے جذبات ابھار کر انہیں ہجرت پر مجبور کر کے ان کو معاشی طور پر بے کار بنا دیا۔ اس حوالہ سے وہ ضرور ''سندھی'' تھے۔

سندھ میں پہلی بار پلاننگ سے وہابیت کی دعوت و تنظیم ☆

مولانا محمود حسن دیوبندی نے (اپنے شاگرد) مولانا سندھی سے کہا:

''سندھ میں دارالعلوم دیوبند کے نصاب کو رائج کریں'' (عبیداللہ سندھی صفحہ ۴۸)

عبیداللہ سندھی کے شاگرد مولوی غلام مصطفیٰ قاسمی (فاضل دیوبند) امروٹ والے مدرسہ کا دیوبند سے تعلق پر روشنی اس طرح ڈالی ہے۔

''سب سے پہلے آپ نے (امروٹ میں) ایک دینی درسگاہ قائم کی اس کی چند ایک خصوصیات یہ تھیں۔ اس درسگاہ کو دیوبند کے طریقے پر جاری کیا گیا اور اس کا روحانی تعلق دیوبند سے قائم رکھا گیا۔ اس لحاظ سے سندھ کو پہلی مرتبہ دیوبند سے علمی اور روحانی رابطہ (عبیداللہ سندھی کے ذریعے) پیدا ہوا'' (ماہنامہ الرحیم حیدر آباد ستمبر ۱۹۶۳ء۔ وطن جی آزادی جو امام صفحہ ۵۹ ڈاکٹر محمود شاہ بخاری) اسی مقصد خاص کے لیے دیوبندی فضلاء میں سے عبیداللہ منتخب ہوئے اور اس غرض خاص سے سندھ میں وارد ہوئے سات سال امروٹ میں رہ کر مولوی تاج محمود امروٹی کی سرپرستی میں سندھ میں پہلی بار پلاننگ سے وہابیت کی دعوت و تنظیم کا کام کیا اور مولانا امروٹی نے اہل سنت و جماعت اور اہل سندھ سے غداری کا اہم کردار ادا کیا جس طرح بنگال میں جعفر اور حیدر آباد دکن میں صادق نے سرانجام دیا تھا۔

جعفر از بنگال و صادق از دکن
ننگِ آدم، ننگِ دیں، ننگِ وطن

عبیداللہ سندھی نے اپنی تقریر میں ایک جگہ طلبا کو تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا: ''ہم عربی طلباء کو بتا دینا چاہتے ہیں کہ سب سے پہلے انہیں دیوبند کا نصاب مکمل کرنا چاہیے۔'' (عبیداللہ سندھی افکار و خدمات صفحہ ۴۵ مرتبہ ڈاکٹر ابوسلمان سندھی مطبوعہ لاہور) دیکھیے دیوبندیت کی کتنی شدت سے تبلیغ و ترغیب دی جارہی ہے اس کے باوجود کہا جاتا ہے کہ وہ فرقہ بندی کے مخالف تھے۔ ایک مقام پر اپنے مسلک کے ساتھ قلبی وابستگی کا اظہار بڑی شدت سے کیا ہے جس سے فرقہ بندی کو تقویت ملتی ہے۔

''میرا علمی تعلق بنیادی طور پر مولانا محمود الحسن دیوبندی سے ہے۔۔۔۔۔۔۔۔اور میری کوشش یہ ہے کہ حضرت کے اس مرتبہ کو زندہ رکھوں'' (ایضاً صفحہ ۴۴)

کیا اس کو استاد پرستی نہیں کہا جائے گا؟ ساری کوشش کا مقصد استاد کی (یا مسلک) کی بالادستی ہے تبلیغ اسلام، اسلام کی بالادستی کا کہیں تذکرہ نہیں، سارا زور دیوبندیت کے فروغ پر صرف ہو رہا تھا۔

عبیداللہ سندھی دارالعلوم دیوبند سے خصوصی تربیت لے کر سندھ میں وارد ہوئے یہاں پر دو مدارس

۱۔ امروٹ (ضلع شکارپور) میں۔

۲۔ درگاہ پیر جوجھنڈا (ضلع حیدر آباد) میں قائم کیے۔

اولیائے اللہ کی سرزمین سندھ امن کا گہوارہ تھی اس کے بعد یہاں کیا ہوا؟ آیئے تاریخ کے صفحات اُلٹ کر دیکھئے:

مولوی تاج محمود امروٹی نے ماہنامہ ”ہدایت الاخوان“ نامی پرچہ جاری کیا۔ جس ماہنامے نے مولوی عبیداللہ سندھی کی فکر کو عام کرنا شروع کیا۔ انہی دنوں میں مولوی دین محمد وفائی نے مولوی اسماعیل دہلوی وہابی کی کتاب ”تقویۃ الایمان“ (جو کہ ابن عبدالوہاب نجدی کی رسوائے زمانہ کتاب التوحید کی طرز پر برصغیر میں پہلی اردو کتاب لکھی گئی تھی جس میں خالص توحید کے مقابلے میں ابلیسی توحید کا پرچار کیا گیا) کا سندھی زبان میں ترجمہ شائع کیا۔ اس طرح سندھ میں ”وہابی تحریک“ کی ابتداء ہوئی۔ اسی لیے سندھ کے علماء میں سخت اختلاف پیدا ہوئے......

تاج محمود امروٹی نے اس تحریک کی سرپرستی کی اور دین محمد وفائی اس تحریک کے اہم رکن تھے دین محمد وفائی نے اپنی (یعنی وہابی) تحریک کی ترویج و اشاعت کے لیے کراچی سے ماہنامہ توحید جاری کیا۔ ۱۹۲۸ء میں یہ پرچہ بند ہوگیا۔ دوبارہ ۱۹۳۴ء میں جاری ہوا۔ (سندھ کے دو مسلک صفحہ ۱۸)

سندھ کے علماء کے دوسرے گروہ نے دیوبند تحریک کی سخت مخالفت کی اور انہوں نے (نئے فرقے کی سرکوبی کے لیے) ایک باقاعدہ تنظیم بنائی جس کا نام ”جمعیت الاحناف صوبہ سندھ“ رکھا گیا۔

۱ امام اہل سنت، عاشق خیر الوریٰ، حجۃ الخلف، مفتی اعظم سندھ و بلوچستان علامہ مفتی عبدالغفور ہمایونی قدس سرہ درگاہ ہمایوں شریف شکارپور

۲ فاضل یگانہ، تاج الفقہاء، یادگار اسلاف، غوث الزماں علامہ مفتی خواجہ غلام صدیق شہداد کوٹی قدس سرہ ضلع لاڑکانہ

۳ استاد العلماء، واصل باللہ حضرت علامہ مخدوم غلام محمد مہیسر قدس سرہ کمال دیرو ضلع خیرپور میرس

۴ وفائی کے استاد، سراج الفقہاء، سراپا تقویٰ، عاشق حبیب کبریا علامہ ابوالفیض مفتی غلام عمر جتوئی قدس سرہ لاڑکانہ

کی سرپرستی میں علمائے اہل سنت، مشائخ اہل سنت نے باطل کے خلاف اعلان جہاد فرمایا۔ اس طرح ہزاروں لوگ اس نئے فرقے کی فرقہ بندی مسلمانوں کے اتحاد کو پارہ پارہ کرنے کی سازش سے آگاہ ہوئے۔ ان لوگوں نے توحید کا پرچم اٹھایا لیکن توہین رسالت ان کا شیوہ تھا۔ بہرحال مخالفت میں تقاریر، مناظرے بحث مباحثہ اور تصنیف و تالیف کا ایک نہ رکنے والا سلسلہ شروع ہوگیا۔

شدید فرقے بازی و فتنہ انگریزی، اُمت مصطفویہ کا شیرازہ بکھیرنے کے باوجود عبیداللہ سندھی کو مظلوم و مفکر اسلام بتانا آنکھوں میں خاک جھونکنے کے مترادف ہے حالانکہ سندھ میں اتحاد امن و محبت کو تباہ کرنے اور نفرت و خانہ جنگی قائم کرنے والا یہی شخص واحد تھا۔ عبیداللہ سندھی وہابیت کی تبلیغ و اشاعت کے لیے نہایت سرگرم تھے وہ مولویوں اور دیگر پڑھے لکھے لوگوں کو جرائد نکالنے کے لیے ذہن بناتے تھے تاکہ ان کا پیغام زیادہ لوگوں تک پہنچ سکے۔

دین محمد وفائی لکھتے ہیں:

مولانا سندھی کی دلی خواہش تھی کہ میں آزاد حیثیت میں کام کروں اور اس کی (وہابی) تحریک اور پروگرام کی اشاعت کروں۔ ایک مرتبہ دہلی سے بھی انہوں نے مجھے اسی مضمون کا

ایک خط لکھا تھا (ماہنامہ توحید اکتوبر ۱۹۴۵ء)

وہابی تحریک کے ابتدائی دنوں میں اس کی سندھ میں کیا پوزیشن تھی، وفائی لکھتے ہیں:

"یہ وہ زمانہ تھا جب سندھ میں دیوبندی نہ صرف وہابی کہلوائے جاتے تھے بلکہ یہاں کے مولوی صاحبان (یعنی علمائے اہل سنت) انہیں کافر کہتے تھے. سندھ میں ولی الٰہی (یا اسماعیلی) تحریک و فلسفہ کے فروغ و اشاعت میں یہ (یعنی علمائے اہل سنت) بڑی رکاوٹ تھی. ضرورت اس امر کی تھی کہ پہلے ایک مدرسہ قائم کرکے "ہم فکر علماً" (یعنی دیوبندی مولوی) پیدا کیے جائیں اس کے بعد ہی آئندہ سیاسی یا مذہبی کام کی نشو و فروغ ممکن تھا۔ مولانا سندھی اس مقصد میں ایسے کامیاب ہوئے آج سندھ میں دیوبندی فکر کے مدارس کا ایک جال پھیل گیا ہے۔" (توحید کراچی اکتوبر ۱۹۴۴ء)

اس کام کے لیے سب سے پہلے سندھ میں مولوی تاج محمود امروٹی نے سندھی کو خوش آمدید کہا سندھی کی آرزو پوری کرکے سندھ میں فرقہ بندی کا دروازہ کھولا۔ جب امروٹ میں کام ٹھیک ٹھاک چلنے لگا تو ہمت پیدا ہوئی اس لیے اور آگے بڑھے کیونکہ اب امروٹ میں رہنا بے معنی تھا اس طرح کا ایک اور بکاؤ مال، عقل سے آری، ایمان سے خالی، جذبات سے بھرپور مولانا پیر رشد اللہ شاہ ہاتھ لگ گیا اس کا ذہن بنایا، اپنی مشن کے لیے تیار کیا تو رزلٹ یہ سامنے آیا کہ رشد اللہ شاہ نے جد کریم کی خانقاہ شریف پر مدرسہ بنا کر پورا انتظام عبیداللہ سندھی کے ہاتھ میں دے دیا۔

مولانا اعجاز الحق قدوسی لکھتے ہیں:

"۱۳۱۹ھ میں مولانا رشد اللہ شاہ پیر جو جھنڈا نے اسی نہج پر

اپنے گاؤں میں مدرسہ قائم کر دیا جیسا مولانا سندھی چاہتے تھے اور مولانا سندھی کی مرضی کے مطابق ہی اس مدرسے کا نام بھی رکھا گیا. مولانا سندھی نے اس مدرسے کے نظام کو سات سال تک اپنی مرضی کے مطابق چلایا" (تاریخ سندھ صفحہ ۲۰۱)

عبیداللہ سندھی بتاتے ہیں:

"امروٹ میں کچھ عرصہ پڑھانے کے بعد مولانا محمود الحسن دیوبندی نے اپنے کام میں ہمارا درجہ بڑھا دیا۔ اور آپ نے ہمیں سندھ میں کام کرنے کا طریقہ بھی سمجھایا (کہ کسی طاقتور پیر کو نرغہ میں پھنسائیں تاکہ رزلٹ خاص نکل کر سامنے آئے، بے جان پیر سے وہ نتیجہ نہیں نکلتا اس طرح خوامخواہ توانائی ضائع ہو رہی ہے اس لیے کسی بڑے پیر کو ڈھونڈ نکالیں اور پھر ان سے رابطہ بڑھائیں شاید کوئی میر جعفر کی طرح میر صادق بھی دستیاب ہو سکے بہرحال کوشش جاری رکھیں، ناامید نہ ہوں، ناامیدی کفر ہے)۔ (مولانا عبیداللہ سندھی افکار و خدمات صفحہ ۴۷)

اس طرح رشداللہ شاہ سندھ کے میر صادق ثابت ہوئے جس نے درگاہ شریف پیر جو جھنڈا میں مدرسہ "دارالرشاد" قائم کیا جو کہ دارالعلوم دیوبند کی طرز پر چلا جس نے پردیسی مولویوں کے ذریعے دیسی مولوی تیار کیے جنھوں نے سندھ میں وہابیت کی خوب تبلیغ و اشاعت کی۔

عبیداللہ سندھی کے نظریات ☆

مولانا سندھی نے تحریک خلافت و تحریک ہجرت کے حوالہ سے کافی شہرت حاصل کر لی تھی. لیکن ان کے نظریات میں یکسانیت نہیں ہے وقت بوقت ان کے خیالات میں تبدیلی آتی رہی ہے کہیں کچھ کہتے ہیں تو کہیں کچھ فرماتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ذہنی انتشار کے شکار تھے. اس کو ذہنی انتشار کہا جائے یا ابن الوقت کہ جہاں جاتے ہیں ویسی ہی باتیں کرکے اس کو اندر سے دیمک کی طرح کاٹتے تھے۔ وہ ہاتھ میں دہلی کے بڑے صوفی شیخ ولی اللہ محدث

دہلوی قدس سرہ کا علم اٹھا کر صوفیاً کی سرزمین سندھ میں وارد ہوئے صوفی کے نام پر صوفیوں کو دھوکا دیتے رہے نام محدث دہلوی کا استعمال کیا اور کام دیوبندیت کا کیا۔ یہ کہنا کہ دیوبند کا شاہ ولی اللہ سے فکری تعلق تھا، تو سو فیصد جھوٹ ہوگا کیونکہ یہ بات اظہر من الشّمس ہے کہ دیوبند کا تعلق انگریز بہادر سے تھا، ثبوت کے لیے مستند حوالجات ملاحظہ کیجیے:

مشہور دیوبندی عالم و ناشر مولوی احسن نانوتوی کا سوانح نگار لکھتے ہیں کہ ۳۱ر جنوری ۱۸۷۵ء بروز یکشنبہ لفٹنٹ گورنر کے ایک خفیہ معتمد انگریز مسمی پامر نے اس مدرسہ کو دیکھا تو اس نے نہایت اچھے خیالات کا اظہار کیا اس کے معائنہ کی چند سطور درج ذیل ہیں:

❁ جہاں کام بڑے بڑے کالجوں میں ہزاروں روپیہ کے صرف سے ہوتا ہے وہ یہاں کوڑیوں میں ہورہا ہے جو کام پرنسپل ہزاروں روپیہ ماہانہ تنخواہ لے کر کرتا ہے وہ یہاں ایک مولوی چالیس روپیہ ماہانہ پر کر رہا ہے یہ مدرسہ خلاف سرکار نہیں بلکہ موافق سرکار ممد معاون سرکار ہے۔" (مولانا احسن نانوتوی صفحہ ۲۱۷ مطبوعہ کراچی مصدقہ مفتی محمد شفیع دیوبندی)

دیوبند کا تعلق انگریز گورنمنٹ سے ثابت ہوا اور امروٹی و عبیداللہ سندھی کا تعلق دیوبند سے تھا۔ اسی طرح دیوبندی علماً کی جانب سے اٹھائی گئی جذباتی تحریکوں میں بھی انگریز گورنمنٹ کا ہاتھ تھا۔ ملاحظہ کیجیے:

جسٹس جاوید اقبال نے مولانا سلیمان ندوی (خلیفہ مولوی اشرف علی تھانوی) کے حوالہ سے لکھا ہے:

"خلافت کانفرنس کی بنیاد بھی بقول سید سلیمان ندوی اس طرح پڑی تھی کہ آغا خان نے مشیر حسین قدوائی کو آمادہ کیا اور انہوں نے مولانا عبدالباری فرنگی محلی کو لکھ کر آمادہ کیا۔"

(تحریک ہجرت صفحہ ۱۴ راجہ رشید محمود مطبوعہ لاہور ۱۹۹۵ء)

اور یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ آغاخان انگریزوں کا پٹھو تھا انگریز گورنمنٹ سے انعام میں جاگیر و تمغہ یافتہ تھا، ظاہر ہے کہ آغاخان کو اس جذباتی تحریک چلانے کے لیے انگریز گورنمنٹ نے تیار کیا ہوگا۔

لگے ہاتھوں ایک اور حوالہ ملاحظہ فرمائیں مولوی عبیداللہ سندھی کا بیان ہے:

محمد خان تحریک خلافت کمیٹی کراچی کا پریزیڈنٹ (صدر) تھا۔ یہ محمد خان بہت ہوشیار آدمی تھا خلافت کے زمانے میں اس نے عقلمندی سے انگریزوں کے ساتھ نبھائے رکھی اور خلافت سے بھی۔ (عبیداللہ سندھی کی سرگذشت کابل صفحہ مرتبہ عبداللہ لغاری)

تحریک خلافت کے خاتمہ پر جب یہی محمد خان بے کار ہوگیا تو:

"مولوی اسماعیل اس کو بھی ساتھ (مکہ معظمہ) لے گیا محمد خان پر غلاف کعبہ بنوانے کی ذمہ داری ڈالی گئی تھی" (ایضاً صفحہ)

یہ معلوم ہونے کے باوجود کہ محمد خان درپردہ انگریزوں سے ملا ہوا تھا، نہ تو اس پر انگریز پرستی کا الزام لگایا گیا اور نہ ہی اسے بیروزگار رہنے دیا گیا، اس کے علاوہ خلافت فنڈ میں بھی گھپلوں کا انکشاف ہوا تھا، کانگرسی علماً نے جذباتی تقریروں کے ذریعے مسلمانوں کو جذباتی بنا کر ان سے بے شمار رقم "احیائے خلافت" کے نام سے جمع کی گئی وہ فنڈ خلافتی مولویوں نے اپنی ذات پر خرچ کیا تقریروں کا بھاری معاوضہ وصول کیا ملک گیر دوروں کا خرچہ بھی اسی فنڈ سے لیا گیا۔

ڈاکٹر کچلو نے امرتسر میں خلافت کمیٹی کے اکاؤنٹ کی جانچ پڑتال کے دوران جو بیان جاری کیا اس سے غبن اور بداعتمادی کے شدید اندیشوں نے جنم لیا۔ مولوی داؤد غزنوی (اہل حدیث) اس چھ ہزار روپے کا جو اسے مسٹر شوکت علی نے دیئے تھے، حساب کتاب پیش کرنے سے قاصر رہا اگرچہ اس نے یہ تاثر دینے

کی کوشش کی کہ وہ رقم خفیہ پروپیگنڈا پر خرچہ کی گئی لیکن عام طور پر یہ یقین کیا جاتا تھا کہ مذکورہ رقم ایک کوٹھی بنانے پر صرف ہوئی۔ اس سے قبل یہ انکشاف ہوا تھا کہ ڈاکٹر کچلو، آغا صفدر خان اور ملک لال خان کو معقول تنخواہ ادا کی گئی تھیں۔" (تحریک خلافت و ترک موالات صفحہ ۸۳ زین الدین ڈیروی مطبوعہ لاہور ۱۹۹۴ء) سندھ میں عبیداللہ کو خوش آمدید کہنے والے تاج محمود امروٹی نے ہجرت فرض ہونے کی فتویٰ جاری فرمائی اور خود ہجرت نہ کرکے بے عملی تارک فرض کا ثبوت دیا۔

"اہل قافلہ میں سے حضرت تاج محمود صاحب نے نہایت پُراثر مگر مختصر تقریر فرمائی جس میں انہوں نے "ہجرت فرض" بتاتے ہوئے اس کی ضرورت پر روشنی ڈالی۔" (روزنامہ زمیندار لاہور ۱۴/جولائی ۱۹۲۰ء بحوالہ تحریک ہجرت صفحہ ۱۱۹) ہجرت تحریک بھی انگریز گورنمنٹ کے اشارے پر چلائی گئی اور مسلمانوں کی معیشت کو تباہ کیا گیا۔ اس سلسلہ میں کرنل عزیز ہندی امرتسری کا بیان ہے:۔

مجھے یہ سن کر روحانی صدمہ ہوا ہے کہ مولانا آزاد جیسی شخصیت نے ایک موقع پر اظہار خیال کرتے ہوئے یہ کہا ہے کہ تحریک ہجرت میں انگریزوں کا ہاتھ تھا۔ (اوراق گم گشتہ ۶۴، ۶۷ مرتبہ رئیس احمد جعفری مطبوعہ لاہور ۱۹۶۸ء)

نیشنلسٹ مؤرخ قاضی عدیل عباسی ہجرت تحریک سے پردہ اٹھاتے ہیں:

"(انگریزوں نے) اپنی عیاریوں کو کام میں لاکر اپنے گرگے چھوڑ دیئے جو لوگوں کو اپنی ہجرت کے فتوے دکھاتے اور شرعی حکم کے وجوب کی جانب متوجہ کرکے ہجرت کی تلقین کرتے تھے یہ بھی سبز باغ دکھاتے تھے کہ وہاں پہنچتے ہی تم کو ہر طرح کی راحت ملے گی اور تم مالدار ہو جاؤ گے چین کی زندگی گزارو گے۔" (تحریک خلافت صفحہ ۱۳۵)

ظفر حسن ایبک کا خیال بھی کچھ ایسا ہی ہے:

"انگریزوں کے کارندوں نے ہندوستان میں لوگوں کو سبز باغ دکھائے اور کہا کہ وہ کابل پہنچتے ہی مالدار ہو جائیں گے۔ گورنمنٹ کے بعض ایجنٹوں نے ان کے مذہبی جذبات کو بھڑکا کر ان کو ہجرت کی ترغیب دی اور اس طرح پر اس تحریک کو افغانستان اور پنجابی اور سرحدی مسلمانوں کے لیے ایک رحمت کی بجائے ایک آفت بنا دیا۔" (آپ بیتی حصہ اول صفحہ ۲۱۱) کاش ظفر حسن ایبک یا کوئی اور صاحب گورنمنٹ کے ان ایجنٹوں کی نشاندہی بھی کر سکتے جنہوں نے مسلمانانِ ہند کے مذہبی جذبات بھڑکا کر ان کو ہجرت کی ترغیب دی۔ (تحریک ہجرت صفحہ ۳۶۷)

تحریک ہجرت کی گورنمنٹ سے اجازت لی گئی☆

عزیز ہندی نے ۲۶/اپریل کو وائسرائے ہند کے پرائیوٹ سیکریٹری کو ایک تار کے ذریعے ہجرت کے ارادے سے آگاہ کیا اور اجازت طلب کی۔" (روزنامہ پیسہ اخبار لاہور ۲۹/اپریل ۱۹۲۰ء)

۲۴/مئی کو حیدرآباد (سندھ) میں پیر تراب علی شاہ کی زیر صدارت خلافت کمیٹی کا ایک جلسہ منعقد ہوا جس میں ایک فیصلہ کے مطابق گورنر بمبئی کے پولیٹکل سیکرٹری کو تار دیا گیا اور ہجرت کے فیصلے سے آگاہ کیا گیا۔" (برگ گل کراچی جوہر نمبر ۱۴۰۱ھ صفحہ ۱۱۷۔ تحریک ہجرت)

تحریک ہجرت سے انگریزوں نے کیا فائدہ اٹھایا☆

خان عبدالغفار خان حکومت ہند کے اس رویے کے بارے میں کہتے ہیں:

شروع میں تو انگریزوں کی یہ کوشش تھی کہ لوگ ہجرت کرکے افغانستان نہ جائیں لیکن جب حکومت نے سمجھ لیا کہ لوگ باز نہیں آتے تو اس نے ایک بات پر زور دیا کہ بے شمار لوگ ہجرت کرکے چلے جائیں کیونکہ ایک تو وہ افغانستان کے لیے مشکلات پیدا کریں گے۔ دوسرے، سرکار اس بہانے سے

ہندوستان سے سیاسی کارکن بھی باہر نکال دے گی اور خود بے فکر ہو جائے گی۔ اس طرح انگریزوں نے ہر طرف سے فائدہ اٹھایا۔ (آپ بیتی صفحہ ۴۵ خان عبدالغفار خان سرحدی گاندھی)

ہجرت کا اعلان☆

عبیداللہ سندھی کے شاگرد مولوی عبداللہ لغاری لکھتے ہیں:
جب امرتسر میں کانگریس کا اجلاس ہوا تو مولانا محمد علی نے فرمایا کہ اگر برطانیہ ترکی کو آزاد نہ کر دے گی تو ہم ہندوستان سے باہر نکل جائیں گے اور ہجرت کر کے دوسرے ملکوں میں بیٹھ کر برطانیہ سے جنگ کرتے رہیں گے۔ مولانا سندھی نے اس وقت اعلیٰ حضرت امان اللہ خان سے کہا کہ اعلان کردو کہ جو شخص ہندوستان سے ہجرت کر کے افغانستان میں آئے گا اس کو زمین اور مکان اور نوکری حسب لیاقت دی جائے گی تو اعلیٰ حضرت نے اعلان کردیا لوگ آنا شروع ہوگئے اور انگریزوں کا دماغ پریشان ہوگیا۔'' (مولانا عبیداللہ سندھی کی سرگذشت کابل صفحہ ۱۲۸)

اس پر محترم زین الدین ڈیروی نے یوں تبصرہ رقم فرمایا ہے:
مسلمانوں کی ہجرت سے انگریزوں کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑا بلکہ واپس آنے والوں کی دلجوئی کر کے فائدہ میں رہے کسی تخریبی کارروائی کا خطرہ نہیں تھا اس لیے کہ گاندھوی فلسفہ عدم تشدد پر عمل پیرا ہونے کی وجہ سے افغانستان میں گوریلا تربیت حاصل کر کے انگریزوں سے لڑنا پروگرام میں شامل نہیں تھا جہاں تک بغیر منصوبہ بندی کے کسی سربراہ مملکت سے اعلان کروا دینے کا تعلق ہے تو یہ بھی دور اندیشی کی بات نہیں تھی

زمینیں اور ملازمتیں دلوانے کا لالچ دے کر تو مسلمانوں کو ہجرت کرنے پر آمادہ کر لیا گیا لیکن ابتدائی انتظامات کی جانب کوئی توجہ نہیں دی گئی۔'' (تحریک خلافت نمبر ۴۲)

''پشاور سے کابل تک آدمی ہی آدمی نظر آتا تھا۔ بڑے بڑے کاریگر اور تعلیم یافتہ لوگ بلکہ یوں کہو کہ ہندوستان اپنے جگر پاروں کو کابل کی طرف پھینک رہا، یہاں تک ہوا کہ سات لاکھ آدمی ہندوستانی کابل میں جمع ہوگئے اور ابھی آمد و رفت جاری تھی...... جو روٹی کابل میں دو پیسے میں بکتی تھی اب ایک روپیہ سے زیادہ میں بکنے لگی اور قحط سالی کے آثار نمودار ہوگئے۔ امان اللہ خان نے اس پر تمام مہاجرین کو واپسی کا حکم دے دیا۔ (عبیداللہ کی سرگذشت کابل۔ ایضاً صفحہ ۴۲)

قارئین کرام! کڑی کو کڑی سے ملا کر چلیے انشاءاللہ تعالیٰ آپ کسی نتیجے پر ضرور پہنچیں گے مشہور دیوبندی عالم مولوی شبیر احمد عثمانی (شیخ التفسیر دیوبند) کی سنیے وہ کیا راز کی بات بتانا چاہتے ہیں، ملاحظہ فرمائیے:

''دیکھئے حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمہ اللہ علیہ ہمارے آپ کے مسلم بزرگ اور پیشوا تھے ان کے متعلق بعض لوگوں کو یہ کہتے ہوئے سُنا گیا کہ ان کو چھ سو روپے ماہوار حکومت کی جانب سے دیئے جاتے تھے۔ اسی کے ساتھ وہ یہ بھی کہتے تھے کہ گو مولانا تھانوی کو اس کا علم نہیں تھا کہ روپیہ حکومت دیتی ہے مگر حکومت ایسے عنوان سے دیتی تھی کہ ان کو اس کا شبہ بھی نہ گزرتا تھا۔'' (مکالمۃ الصدرین صفحہ ۹ مطبوعہ دیوبند)

تحریک ریشمی رومال☆

ایک مدت تک یہ عقدہ نہ کھل سکا کہ آخر حکومت برطانیہ انہیں ماہانہ چھ سو روپے (جو اس وقت کے پچاس ساٹھ ہزار سے کم نہیں ہوں گے) کیوں دیتی تھی؟ اِسے تھانوی صاحب کی ذات سے کیا فائدہ تھا؟ سندھ کے ایک صحافی انجم لاشاری نے ستمبر ۱۹۸۷ء میں جمعیت العلماءِ اسلام صوبہ سندھ کے سربراہ مولوی محمد

شاہ امروٹی (بھتیجے مولوی تاج محمود امروٹی) سے انٹرویو کیا جس میں مولوی محمد شاہ امروٹی نے دم مرگ راز سربستہ سے نقاب ہٹا دیا اور بتایا کہ تحریک ریشمی رومال کی ناکامی اور انگریز کے اس تحریک پر قابو پانے میں تھانوی صاحب کا ہاتھ تھا۔
جناب انجم لاشاری کا بیان ملاحظہ ہو:

"اپنے انٹرویو میں مولانا محمد شاہ امروٹی نے دل گرفتہ ہو کر بتایا کہ انگریزوں کو ریشمی رومال کے اس سفر کی اطلاعات لمحہ بہ لمحہ مل رہی تھیں اور یہ لنکا گھر کے ایک بھیدی نے ڈھائی تھی اور یہ تھے......مولانا اشرف علی تھانوی۔ مولانا امروٹی کے بقول مولانا تھانوی کہتے تھے کہ انگریزوں کے خلاف کچھ نہ کیا جائے بلکہ ان کی سرپرستی میں رہ کر مسلمانوں کے لیے فوائد حاصل کیے جائیں۔ وہ چونکہ دارالعلوم دیوبند کے اکابرین میں سے تھے اس لیے انہیں تحریک خلافت اور جنود ربانیہ کے تمام پروگراموں سے آگاہی رہتی تھی۔ انہوں نے ریشمی رومال کی حقیقت اور انقلابی کاروائیوں کے لیے طے کردہ تاریخ سے بھی اپنے گھر والوں کو آگاہ کر دیا اور ان کے بھائی (مظہر علی) نے جو انٹیلی جنس کے ایک اعلیٰ افسر تھے پورے قصے سے انتظامیہ کو خبردار کر دیا۔" (ماہنامہ شو ٹائیم کراچی اپریل ۱۹۸۸ء صفحہ ۱۳۶)

انگریز کا ایجنٹ کون؟

اس وضاحت کے بعد یہ سوچنے کی گنجائش نہیں رہ جاتی کہ انگریز حکومت تھانوی صاحب کو ماہانہ چھ سو روپے کیوں دیتی تھی؟ علمائے دیوبند کی ہمت قابل داد ہے کہ انہوں نے تھانوی صاحب کی پردہ داری میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا، یہ الگ بات ہے کہ حقیقت کسی نہ کسی وقت کھل کر سامنے آجاتی ہے۔ دارالعلوم دیوبند میں سابق فضلاء کی ایک تنظیم تھی "الانصار" اس کے قواعد و

مقاصد میں ایک شق یہ تھی:

"جمعیت (الانصار) گورنمنٹ انگلشیہ کی (جس کے ظل عاطفت میں ہم نہایت آزادی کے ساتھ مذہبی فرائض ادا کرتے ہیں اور مذہبی تعلیم کی ترقی کے لیے ہر قسم کی کوشش کر سکتے ہیں) پوری وفادار رہے گی اور انارکسٹانہ کوشش کے قلع قمع میں اپنے اثر سے پورا کام لے گی۔" (ماہنامہ الھدیٰ لاہور صفحہ ۳۸ بحوالہ انگریز کا ایجنٹ کون؟ صفحہ ۱۲ مطبوعہ بندیال شریف)

چلتے چلتے ایک اور حوالہ بھی ملاحظہ فرمالیں۔

۲۳ر دسمبر ۱۹۱۲ء کو کسی نامعلوم شخص نے وائسرائے ہند لارڈ ہارڈنگ پر بم سے حملہ کیا جس سے وہ زخمی ہوگئے۔ اس حادثہ کا دیوبند کے ہر فرد کو صدمہ ہوا۔ باقاعدہ اساتذہ اور طلبہ کا اجلاس بلایا گیا اور بذریعہ تار اظہار ہمدردی کیا گیا، رپورٹ ملاحظہ ہو:

"دارالعلوم کے اہل شوریٰ، اساتذہ، موجودہ طلبہ، پرانے طلبہ (جمعیت الانصار) اس صدمہ کا اثر محسوس کرتے ہیں۔ مولانا محمد احمد صاحب مہتمم دارالعلوم نے دارالعلوم کے تمام دوستوں کی طرف سے اظہار ہمدردی اور غصہ و نفرت کا تار دیا۔

جس کا جواب نہایت شکریہ آمیز الفاظ میں آیا۔

"الحمدللہ کہ ہز ایکسیلینسی وائسرائے کی جان پر گزند نہیں آیا اور لیڈی ہارڈنگ محفوظ رہیں اور بفضلِ تعالیٰ حضور وائسرائے کی صحت روز بروز کامیابی کے ساتھ رو بترقی ہے۔" (ماہنامہ القاسم دیوبند محرم ۱۳۳۱ھ صفحہ ۱)

پروفیسر محمد سرور دیوبندی لکھتے ہیں:

مولانا محمد قاسم نانوتوی کے صاحبزادے حافظ محمد احمد جو دارالعلوم دیوبند کے مہتمم تھے "شمس العلماء" کا خطاب قبول

کرتے ہیں اور انگریزی حکومت کی طرف سے اڑھائی سو روپیہ ماہانہ بطور وظیفہ مقرر ہوتا ہے اسی سلسلہ میں گورنر یوپی دارالعلوم میں گیا۔ (افادیت و ملفوظات عبیداللہ سندھی صفحہ ۳۸۷ ، اکابر تحریک پاکستان صفحہ ۱۵)

اس کے ساتھ ہی لگے ہاتھوں دارالعلوم دیوبند کے سرکاری ترجمان ماہنامہ القاسم سے دارالعلوم کے سالانہ جلسہ کی رپورٹ بھی ملاحظہ فرمالیجیے:

''مسلمانوں کو ان کے مذہب میں وفاداری کی تعلیم دی گئی ہے ادھر گورنمنٹ کے بے حد احسانات اس کو مقتضی ہیں کہ مسلمان جان و دل سے ان کا شکریہ ادا کریں اور ایک ایسے کثیر التعداد مجمع میں جس میں ملک کے اعلیٰ و ادنیٰ طبقات کے مسلمان موجود ہوں علماً کی جانب سے جن کی تعلیم کو ہر فرد مسلمان مانتا ہے وفاداری و شکر گزاری گورنمنٹ کا اعتراف و اعلان ضروری امر تھا۔ اوّل مہتمم صاحب نے اپنی مطبوعہ تقریر میں نہایت خوبی سے سامعین کے ذہن نشین کیا اور پھر اس کی تائید میں مولانا احمد حسن صاحب، مولانا عبدالحق صاحب، مولوی ظہور علی احمد صاحب نے مدلل و پرمغز تقریریں کی اور باتفاق رائے حضور وائسرائے بہادر اور لیفٹنٹ گورنر بہادر کی خدمت میں تار دیئے گئے۔'' (ماہنامہ القاسم ۱۳۲۸ھ مطبوعہ دیوبند، اکابر تحریک پاکستان صفحہ ۱۵)

ہندوستان میں مسلمانوں کے مذہبی اتحاد کو توڑنے کے لیے انگریزوں کا یہ پہلا مورچہ تھا جو نہایت کامیاب ثابت ہوا۔ لیکن چونکہ ''قادیانی جماعت'' اپنے کھلے ہوئے امتیاز اور چونکا دینے والے نام و نشان کی وجہ سے عام مسلمانوں میں بار نہیں پا سکتی تھی اس لیے انگریزوں کو ایک ایسی مذہبی تحریک کی ضرورت پیش

آئی جس کے چلانے والے اپنے ظاہر کے اعتبار سے مسلمانوں میں باریاب ہونے کی فنکارانہ صلاحیت رکھتے ہوں تاکہ ان کے ذریعہ عام مسلمانوں کو مذہبی انتشار میں مبتلا کیا جاسکے۔

چنانچہ اس عظیم مقصد کے لیے انگریزوں نے مالی امداد کا سہارا دے کر (رائے ونڈ کی ''تبلیغی جماعت'' کے بانی) مولانا الیاس کو کھڑا کیا جیسا کہ دیوبندی جمعیت العلماً ہند کے ناظم اعلیٰ مولانا حفیظ الرحمٰن نے اپنے ایک بیان میں خود اس کا اعتراف کیا ہے چنانچہ ''مکالمۃ الصدرین'' نامی کتاب کا مرتب ان کی ایک گفتگو کا سلسلہ نقل کرتے ہوئے لکھتا ہے:

الیاس کی تبلیغی تحریک کو ''اسی ضمن میں مولانا حفیظ الرحمٰن صاحب نے کہا کہ مولانا ابتداءً حکومت کی جانب سے بذریعہ حاجی رشید احمد کچھ روپیہ ملتا تھا۔ پھر بند ہوگیا۔'' (مکالمۃ الصدرین صفحہ ۸ شائع کردہ دیوبند)

غور فرمائیے! خالص مذہب کے نام پر کسی تحریک کو چلانے کے لیے ایک دشمن اسلام کی مالی امداد کا مصرف سوا اس کے اور کیا ہوسکتا ہے کہ ایک مذہب کو دوسرے مذہب سے لڑا کر اہل مذہب کی روحانی اخلاقی اور اجتماعی قوتوں کو نقصان پہنچایا جائے۔ (تبلیغی جماعت حقائق ومعلومات کے اُجالے میں صفحہ ۹۸ علامہ ارشد القادری)

مولانا الیاس کوئی اور نہیں بلکہ انگریزوں کے تنخواہ دار ایجنٹ مولانا اشرف علی تھانوی کے محبوب خلیفہ و شاگرد تھے۔

قرآن پاک کی غلط ترجمانی ☆

''یہود نے دعویٰ کیا کہ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو قتل کر دیا اور نصاریٰ نے اس کی تصدیق کی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کی تکذیب فرمادی۔ (خزائن العرفان صفحہ ۱۴۸ صدر الافاضل)

اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں صاف صاف فرمادیا کہ حضرت عیسیٰ کو

آسمان پر اٹھا لیا تھا اس سلسلہ میں دو آیتوں کا ترجمہ مولانا عبیداللہ کے استاد و پیشوا مولوی محمود حسن دیوبندی کا پیش خدمت ہے:

''اور ان کے اس کہنے پر کہ ہم نے قتل کیا مسیح عیسیٰ مریم کے بیٹے کو جو رسول تھا اللہ کا اور انہوں نے نہ اس کو مارا اور نہ سُولی پر چڑھایا ولیکن وہی صورت بن گئی ان کے آگے اور جو لوگ اس میں مختلف باتیں کرتے ہیں تو وہ لوگ اس جگہ شبہ میں پڑے ہوئے ہیں کچھ نہیں ان کو اس کی خبر، صرف اٹکل پر چل رہے ہیں اور اس کو قتل نہیں کیا بیشک بلکہ اس کو اٹھالیا اللہ نے اپنی طرف اور اللہ ہے زبردست حکمت والا'' (ترجمہ آیت نمبر ۱۵۷۔۱۵۸ سورہ نساء)

مولوی شبیر احمد عثمانی (شیخ التفسیر دیوبند) آیت مذکورہ کے حاشیہ میں لکھا ہے:

''حق یہی ہے کہ حضرت عیسیٰ ہرگز مقتول نہیں ہوئے بلکہ آسمان پر اللہ نے اٹھالیا اور یہود کو شبہ میں ڈال دیا'' (ترجمہ و تفسیر قرآن صفحہ ۱۳۴ مطبوعہ حکومت سعودیہ)

اصل حقیقت جاننے کے بعد اب آیئے مولوی عبیداللہ سندھی (جنہیں اپنے یار لوگ ''امام انقلاب''، ''مفکر اسلام'' نہ جانے کن کن خطابت سے نوازتے رہتے ہیں) کی تفسیر قرآن میں قرآن پاک کی غلط ترجمانی ملاحظہ فرمائیں کہ وہ اس واقعہ قرآن کی حقیقت کو کس طرح جھٹلاتے ہیں۔ رقمطراز ہیں:

''جو حیات عیسیٰ لوگوں میں مشہور ہے یہ یہودی کہانی نیز صابی من گھڑت کہانی ہے۔ مسلمانوں میں فتنہ عثمانی کے بعد بواسطہ انصار بنی ہاشم یہ بات پھیلی اور یہ صابی اور یہودی تھے۔ علی بن ابی طالب کے مددگار تھے۔ ان میں حُب علی نہیں تھا بغض اسلام تھا۔ یہ بات ان لوگوں میں پھیلی جن نے ھو الذی ارسل رسولہ بالھدیٰ کا مطلب نہیں سمجھا۔ اس بات کا حل اجتماعیت عامہ کی معرفت پر مبنی ہے جو لوگ اس قسم کی روایات پیش کرتے ہیں وہ علوم اجتماعیت سے بہت دُور ہیں۔ جب وہ اس آیت کا مطلب نہیں سمجھتے تو وہ ان روایات کو

قبول کر لیتے ہیں اور متاثر ہو جاتے ہیں۔ اسلام میں علمی بحث کا پہلا مرجع قرآن ہے۔ قرآن میں ایسی کوئی آیت نہیں جو اس بات پر دلالت کرتی ہو کہ عیسیٰ نہیں مرا۔'' (الہام الرحمٰن فی تفسیر القرآن صفحہ ۲۴۰)

قادیانیوں کا بھی یہی عقیدہ ہے کہ ''حضرت عیسیٰ وفات پا چکے ہیں وہ دوبارہ دنیا میں نہیں آئیں گے۔'' اس نظریہ میں عبیداللہ اور قادیانیوں میں کمال مماثلت پائی جاتی ہے، یہ معلوم نہیں کہ یہ اتفاقی ہے یا اتحادی۔

مولوی عبیداللہ کا غرور دیکھئے کہ وہ صاف صاف کہہ رہے ہیں کہ قرآن میں ایسی کوئی آیت نہیں جس سے حیات عیسیٰ کا ثبوت فراہم ہوتا ہو۔

دیکھئے قرآن پاک کی ایک آیت کا انکار کفر ہے اور عبیداللہ متعدد آیات کا صاف انکار کر کے کس زمرے میں آتے ہیں۔ ان کے متعلقین ذرا اپنے امام کا مقام متعین فرمائیں۔

سیکولر حکومت کی ناکام کوشش ☆

دیوبندی مکتب کے نامور عالم مولانا محمود حسن دیوبندی کو کون نہیں جانتا آج اسیر مالٹا اور تحریک آزادی کے مجاہدین میں انہیں سرفہرست شمار کیا جاتا ہے۔ برصغیر سے انگریزی اقتدار کے خاتمے کا جو پروگرام آپ نے مرتب فرمایا اس میں کسی ''اسلامی حکومت'' کے تصور کو یکسر نظرانداز کرتے ہوئے واضح طور پر ایک لادینی (سیکولر) حکومت کا نظریہ پیش کیا گیا ہے۔ مولانا عبیداللہ سندھی کو آپ ہی نے کابل بھیجا وہاں آپ کے مشورے سے ''موقتہ ہند'' کے نام سے ایک متوازی حکومت بنائی گئی لیکن آپ حیران ہوں گے کہ اس حکومت کے لائف پریزیڈنٹ (LIFE,PRESIDENT) معروف متعصب سکھ لیڈر راجہ مہندر پرتاب مقرر ہوئے جبکہ مولانا عبیداللہ سندھی اس کے وزیر خارجہ تھے۔ اس سے آپ بخوبی اس حکومت کا نقشہ سمجھ سکتے ہیں جو ان حضرات کے ذہنوں میں موجود تھا۔ مزید اطمینان کے لیے مولانا سندھی اور راجہ صاحب کے رفیق کار ظفر حسن

ایک صاحب کا یہ تبصرہ ملاحظہ فرمایئے اور ٹھنڈے دل سے غور کیجئے کہ یہ حضرات مسلمانوں کو کہاں لے جارہے تھے؟

ایک لکھتے ہیں:

''راجہ مہندر پرتاب ہندوستان کے آزاد ہونے پر وہاں ایک ''ہندو حکومت'' قائم کرنا چاہتے ہیں'' (آپ بیتی ظفر حسن ایبک مطبوعہ منصور بک ہاؤس لاہور صفحہ ۱۰۰ بحوالہ اکابر تحریک پاکستان صفحہ ۱۱)

مولانا عبیداللہ سندھی نے کابل سے آزادئ ہند کے بعد حکومت کا جو نقشہ پیش کیا اس کی یہ شق دیدنی ہے (یہ بات پیش نظر رہے کہ مولانا سندھی مولانا محمود الحسن دیوبندی کے معتمد خصوصی، ان کے فرستادہ اور انہی کے مشن کی تکمیل کے لیے کابل گئے تھے) مولانا سندھی نے جمنا نربدا سندھ ساگر پارٹی، کانگریسی سوراجیہ کمیٹی کابل، مہابھارت، سوراجیہ پارٹی اور حکومت موقتہ ہند کے ذمہ دار رکن کی حیثیت سے ہر جگہ ایک ہی جملہ دہرایا ہے، فرماتے ہیں:

''مرکزی حکومت ہند کا مذہب سے کوئی تعلق نہ ہوگا اور نہ اس کو ان مذاہب میں دخل دینے کا حق حاصل ہوگا جو پارٹی کے مندرجہ بالا اقتصادی اور اجتماعی اصولوں کو مانتے ہیں۔'' (پمفلٹ جمنا نربدا سندھ ساگر پارٹی شائع شدہ بیت الحکمۃ دہلی بحوالہ اکابر تحریک پاکستان مقدمہ صفحہ ۲۰) حکومت موقتہ ہند کے صدر راجہ مہندر پرتاب کی ذہنیت کو سمجھنے کے لیے ان کا بیان ملاحظہ فرمایئے راجہ صاحب نے ۱۹۵۰ء میں اپنی قوم کو مشورہ دیا:

''جب تک پاکستان کا وجود ختم نہیں ہو جاتا ہمارا ملک کوئی ترقی نہیں کرسکتا حالات اس طرح بدل رہے ہیں کہ مجھے یقین ہوتا چلا جارہا ہے کہ ہندوستان اور پاکستان میں جنگ لابدی ہوگئی ہے بنابریں میں حکومت ہند کو مشورہ دوں گا کہ وہ افغانستان کو اپنے ساتھ ملا کر پاکستان کو ختم کر دے۔ (بحوالہ اکابر تحریک پاکستان مقدمہ صفحہ ۱۹ مطبوعہ لاہور)

عبیداللہ سندھی نے ۱۲ ذیقعد ۱۲۵۸ھ کو دارالرشاد پیر جو جھنڈو میں ''سندھ ساگر پارٹی'' کی بنیاد رکھی اور اس کا دستور العمل شائع کیا۔ دستور العمل سے بعض اہم باتیں نقل کررہے ہیں جس سے ان کی لادینی سوچ و فکر کا پتہ چلے گا۔ ایک مقام پر فرماتے ہیں:

☆ ''ہندی سیاست'' کو ترقی دینے کے لیے ''سندھ ساگر پارٹی'' یا اسی منہاج کی مستقل پارٹی کو ''انڈین نیشنل کانگریس'' میں قائم رکھنا اور مولانا محمود الحسن دیوبندی کو اس سلسلہ کا استاذ ماننا۔ (مولانا عبیداللہ سندھی افکار و خیالات صفحہ ۴۱)

☆ ''سندھ ساگر پارٹی حکیم الہند امام ولی اللہ دہلوی'' کے ''ہندوستانی فلسفہ'' کو اپنا عقلی اساسی اصول قرار دیتی ہے۔ پارٹی کی مرکزی جماعت کی تشکیل اسی ذہنیت کے ممبروں سے ہوگی۔''

☆ ''سندھ ساگر پارٹی آل انڈیا نیشنل کانگریس کو ''آل انڈیا انٹرنیشنل کانگریس'' کے درجہ پر مانتی ہے۔''

''سندھی زبان عربی رسم الخط میں لکھی جاتی ہے لیکن عبیداللہ سندھی نے ہندوؤں کو راضی کرنے کے لیے سندھ ساگر پارٹی کے اصول و مقاصد میں لکھا:

☆ پارٹی ہر فرد کے لیے ضروری قرار دیتی ہے کہ ہندی کیرکٹر اور رومن کیرکٹر میں بھی سندھی لکھنا سیکھے۔'' (ایضاً صفحہ ۱۲۵)

اس حقیقت سے کوئی مسلمان انکار کرنے کی جرات نہیں کرسکتا کہ کتاب و سنت کی رو سے کافر کسی حالت میں بھی مسلمانوں کا دلی خیر خواہ کبھی نہیں ہو سکتا۔ مسٹر گاندھی جو بلاشک و شبہ ایک کٹر ہندو، بتوں کا پجاری، گائے کے سامنے سر ٹیکنے والا اور مسلمانوں کا شدید ترین دشمن تھا کو ایک پان اسلامک تحریک کا بلاشرکت غیر قائد و امام منتخب کرنا ایک اچنبھے کی بات ضرور تھی۔ لیکن اس سے بھی بڑھ کر حیرت انگیز امر یہ تھا کہ اس انتخاب کے مجوز مذہبی راہنمائی کے مدعی حضرات تھے۔ مولوی حسین احمد مدنی کے صاحبزادے مولوی محمد اسعد دیوبندی کا

بیان ہے:

"مولوی محمود الحسن دیوبندی نے کہا کہ یہ نوجوان بیرسٹر مسٹر موہن داس گاندھی جو پڑھ کر آیا اور افریقہ سے نکالا گیا۔ وہ بنیا ہے اور بنیئے کا ہندو سماج میں کوئی مقام اور عزت نہیں، اگر اس کو (ہندوؤں اور مسلمانوں کا مشترکہ لیڈر) بنادو اور آپ لوگ پسند کرو تو کچھ نہ کچھ احساس احسان اس کے ذہن میں رہے گا۔ چنانچہ حضرت (محمود الحسن) کے نام پیش کرنے پر "گاندھی جی" کا نام طے ہوا اور ان کو لیڈر شپ کے لیے کہہ دیا۔" (خطبات مدنی صفحہ ۴۸۰ مرتبہ مولوی ادریس دیوبندی بحوالہ ماہنامہ کنزالایمان لاہور تحریک خلافت نمبر ۱۹۹۴ء)

یہی وہ علمأ سُو ہیں جن کی تمام سیاست گاندھی کے مرہون منت تھی، گاندھی (مشرک، کافر، بت پرست) کو امام بنا دیا اس میں تمام خوبیاں اور شرافتیں نظر آئیں۔ مسلمان قائد اعظم محمد علی جناح انہیں کافر اعظم نظر آیا اور اصل کافر انہیں فرشتہ صفت، مہا تما (پیغمبر) ولی اور پیشوا نظر آیا۔ یہ ایک قومی المیہ ہے اسے بار بار سوچیے تاکہ مسلم قوم سے ایسی فحاش و ایمان سوز شرارتیں مستقبل میں واقع نہ ہوں۔

جمعیۃ العلمأ ہند دیوبند کے مولوی اسیر احمد صاحب اپنی کتاب "ہندوستان کی جنگ آزادی میں مسلمانوں کا کردار" میں لکھتے ہیں:

یہی وہ دور تھا جب اُفق سیاست پر وہ ستارہ طلوع ہوا جو اب تک گوشہ گمنامی میں چھپا ہوا تھا...... یہ علمأ کرام تھے جنھوں نے اس ستارہ پر چھائی ہوئی گمنامی کی بدلیوں کو ہٹایا...... جب اس (ستارے) نے ہندوستان کے اُفق سیاست سے طلوع کیا تو احترام میں لاکھوں اور کروڑوں ہندوستانیوں کی پیشانیاں اس کے سامنے جھک گئیں اور اسے "مہاتما گاندھی" کے نام سے پکارا جانے لگا۔ علمأ نے اپنے جلسوں کی صدارت پیش

کی۔ خلافت فنڈ سے ان کے دورے کا ملک گیر پروگرام بنایا...... مسلم سیاسی راہنماؤں کے کارناموں میں یقیناً یہ قابل فخر یادگار تذکرہ رہ جائے گا کہ انہوں نے ملک کو اتنا عظیم لیڈر دیا...... علمأ کی مردم شناس نگاہوں نے ایک ایسے جوہر قابل کو ڈھونڈ نکالا کہ اس نے کبھی ان کے تصورات و خیالات کے خلاف کوئی عملی اقدام نہیں کیا اور بالآخر "ہندو مسلم اتحاد" کے عظیم مشن کے سلسلے میں اس نے اپنی جان دے کر یہ ثابت کر دیا کہ علمأ کرام کا انتخاب صحیح اور درست تھا۔" (تحریک ہجرت صفحہ ۱۵۴ مطبوعہ لاہور)

منتخب قائد چونکہ اس وقت بالکل غیر معروف تھا۔ اس لیے قومی سطح پر اسے متعارف اور "مہاتما" کے عہدہ جلیلہ پر فائز کرانے نیز مسلمانوں کے دلوں میں اس کی عظمت بٹھانے کی خاطر ملک گیر دوروں اور کثیر رقم کی ضرورت تھی۔ اس مشکل پر کیسے قابو پایا گیا۔ یہ بھی مولوی محمد اسعد صاحب دیوبندی کی زبانی سنیئے:

"سوال یہ پیدا ہوا کہ ہندوؤں میں جہاں ملک کا دورہ کریں۔ پیسہ کہاں سے آئے؟ مولوی محمود الحسن دیوبندی نے یہ فرمایا: بے شک یہ فنڈ مسلمانوں کا ہے لیکن ہندوستان کی آزادی جس طرح تمام ہندوستانی باشندوں کی ضرورت ہے اور ملک کی ضرورت ہے۔ اسی طرح عالم اسلام کی ضرورت ہے۔ عالم اسلام میں جو تباہی و بربادی ہے اور اسلام دشمنوں کا جو خطرہ ہے اور ان کی جو سازشیں ہیں۔ یہ اس وقت تک ٹوٹ نہیں سکتیں جب تک ہندوستان آزاد نہ ہو اور برطانیہ کا منہ کالا نہ ہو۔ اس لیے مسلمانوں کا فنڈ خرچ کرو تاکہ آزادی کا قافلہ بنے اور ملک کی آزادی سے عالم اسلام آزاد ہو" (خطبات مدنی صفحہ ۴۸۰) کیا فرماتے ہیں علمأ دیوبند بیچ اس مسئلہ کہ گاندھی کے حضور کروڑوں پیشانیوں کے جھکنے اور سجدۂ تعظیمی سے شرک کی بو آتی ہے یا نہیں۔ بینوا و توجروا۔

ان علماً کی ساری کوششیں ''ہندو قیادت'' میں ''سیکولر اسٹیٹ'' کے لیے ہورہی تھیں پھر اس سے عالم اسلام کو کیا فائدہ ہونا تھا عالم اسلام تو دور کی بات ہے خود ہندوستان میں مسلمان کی عزت، عصمت، جان و مال محفوظ نہ تھے بلکہ اس کے ثبوت کے لیے قیام پاکستان اور اس کے بعد کے واقعات خصوصاً حال ہی میں گجرات میں مسلم کش حملے کافی نہیں۔ یہ صرف اسلام کا نام استعمال کر کے مسلمانوں کے جذبات ابھارتے رہے۔ اور اپنا اُلو سیدھا کرتے رہے۔

خلافت کے نام پر جمع ہونے والا فنڈ جو کہ خالص مسلمانوں کا چندہ تھا وہ محمود حسن کے جاری کردہ فتویٰ پر گاندھی کے ملک گیر دورے پر خرچ ہوا، اس کی تشہیر و تعارف پر صرف ہوا۔ کیا خلافت تحریک چلانے کے لیے مسلمانوں سے حاصل کردہ رقم ھندو بنیے کی نمائش پر خرچ کرنا جائز تھی؟

کانگریس پرستی☆

سید نور محمد قادری محروم لکھتے ہیں :

گاندھویت (مولانا راغب احسن ایم اے کے الفاظ میں جدید ہندی کفر) سے متاثر نیشنلسٹ رہنماؤں کے فرمودات بھی ملاحظہ کیجئے۔ عبیداللہ سندھی عام طور پر مجاہد آزادی، حریت پسند لیڈر اور مفکر اسلام کے نام سے مشہور ہیں۔ وہ اکبر کے دین الٰہی اور بھگتی تحریک سے بہت زیادہ متاثر تھے۔ پھر گاندھویت کی پیروی نے سونے پر سہاگہ کا کام کیا اور وہ دینِ اسلام کو ایسی شکل پر ڈھالنے کی کوشش کرنے لگے جس سے وہ کانگریس کا جزو بن کر تمام ہندوستانیوں کے لیے قابل قبول ہو سکے۔ (اقبال کا آخری معرکہ صفحہ ۷۱)

مولوی عبیداللہ سندھی کانگریس کے پر زور حامی تھے۔ وہ ذہناً انڈین کانگریسی بن گئے جس پر وہ آخر وقت تک رہے۔..... کانگریس پر تنقید سن کو مولوی

صاحب آپے سے باہر ہو جاتے :

۳۱/جنوری ۱۹۳۹ء کا ذکر ہے مولانا (عبیداللہ سندھی) بیٹھے ہوئے تھے، کسی نے کانگریس کے بارے میں کوئی جملہ کہا، مولانا بگڑ گئے فرمانے لگے: میں کانگریسی ہوں، ہندوستان سے باہر جہاں بھی میں گیا اپنے آپ کو بحیثیت ''انڈین کانگریس مین'' کے متعارف کرایا، اس سے میری عزت ہوئی، مجھ پر اعتماد کیا گیا'' (افادات و ملفوظات عبیداللہ سندھی صفحہ ۲۸، کنزالایمان تحریک پاکستان نمبر صفحہ ۵۱)

عبیداللہ سندھی کا اسلام☆

یہ کانگریسی دیوبندی علماً، اسلام سے مخلص تھے؟ اسلام ان کے سینوں میں راسخ ہوگیا تھا؟ حقیقت جاننے کے لیے درج ذیل حوالہ جات کا مطالعہ فرمائیں۔

''مولانا عبیداللہ سندھی واپس وطن آ کر سب سے زیادہ مسلم لیگ کے لیڈروں کے اس دعویٰ کی مخالفت کرتے رہے، وہ فرماتے تھے کہ ہندوستان میں اسلامی ملت ضرور ہے لیکن اس ''مسلم قومیت'' کا نہ یہاں اور نہ باہر کی اسلامی دنیا میں کوئی وجود ہے۔'' (افادات و ملفوظات عبیداللہ سندھی سندھ ساگر اکادمی لاہور ۱۹۸۷ء صفحہ ۱۵۸)

مولانا دین محمد وفائی (اہل حدیث) لکھتا ہے :

ایک شخص نے مجھ سے استفسار کیا کہ فلاں مولوی وید اور قرآن دونوں کو ایک جیسا کلام الٰہی مانتا ہے، یہ تو کفر ہے۔ مولانا (سندھی) صاحب یہ الفاظ سن کر غصے میں آ گئے اور فرمایا کہ یہ ہندوستانی مسلمان اگر ہندوستان کو اپنا وطن نہیں مانتے تو یہاں سے نکل کر کسی دوسرے ملک میں کیوں نہیں چلے جاتے۔..... اگر وید کو الہامی کتاب کہہ دیا جائے تو کیا حرج ہے۔ حضرت نوح اور منوشاستر کے قوانین تقریباً ایک جیسے ہیں۔'' (ماہنامہ توحید کراچی، جون ۱۹۴۴ء عبیداللہ کے افکار و خیالات صفحہ ۳۴)

عبیداللہ دیوبندی کی نظر میں رب کریم کا پاک کلام (قرآن مجید) اور

ہندو مذہب کی مذہبی کتاب وید جو ہندوؤں مشرکوں کی بنی ہوئی ہے ایک ہیں اور پیغمبرِ خدا حضرت نوح علیہ السلام اور ہندو منوشاستر (کافر) کے قوانین بھی عبیداللہ کی نظر میں ایک جیسے الہامی ہیں اور جس مسلمان نے کافر کو کافر کہا کفر کو کفر سمجھا اس پر اس طرح بگڑ گئے کہ اسے ملک سے نکل جانے کی دھمکی دے دی۔ حق و باطل کی تمیز جب اٹھ جائے، کفر سے جب نفرت مٹ جائے تو پھر اسلام کہاں رہے گا۔

عبیداللہ سندھی فرماتے ہیں:

''جو لوگ موجودہ سامراج (انگریز) کے خلاف ہمارے ساتھ مل کر لڑ رہے ہوں گے، خواہ وہ ہمارے ہم مذہب نہ بھی ہوں (یعنی کافر ہندوؤ ہوں) ہم انہیں اپنا ساتھی سمجھیں گے اور ان کے بارے میں کفر کی اصطلاح نہیں برتیں گے جو سامراج کے حامی ہوں گے، خواہ وہ ہمارے ہم مذہب ہی کیوں نہ ہوں ہم انہیں مسلمان کہنے کو تیار نہ ہوں گے۔'' (افادات و ملفوظات عبیداللہ سندھی صفحہ ۲۳۰)

کہیں ایسا تو نہیں کہ مولانا اپنے کو نبی سمجھنے لگے ہوں، بیان کا انداز تو کچھ ایسا ہی بتا رہا ہے۔ یعنی وہ اپنے کو اس قدر مختار سمجھنے لگے تھے کہ سب کچھ اس کی مرضی پر انحصار تھا جسے وہ کافر سمجھنے لگے وہ ہی کافر اور جسے وہ مسلمان سمجھے وہ ہی مسلمان۔ یعنی اسلام و کفر اس کی مرضی پر منحصر تھا۔ جو مسلمان اپنا ایمان بیچ کر کانگریس میں شامل ہونے کو تیار نہیں وہ چاہے کس قدر بھی متقی پرہیزگار مومن ہوں لیکن عبیداللہ کی نام نہاد شریعت میں وہ مسلمان نہیں، یہ ایک اٹل حقیقت ہے کہ کافر کو کافر نہ سمجھنے والا خود کافر ہے لیکن جو ہندو (کافر) کانگریس میں کام کر رہے ہیں وہ عبیداللہ کی شریعت میں کافر نہیں ہے۔

کیا اسلامی اصطلاحات میں ردّوبدل کسی مولوی کے اختیار میں ہے۔؟

ہم علمأ دیوبند سے پوچھ سکتے ہیں کہ آپ کے امام انقلاب کا یہ بیان کس آیت کا ترجمہ اور کس حدیث کی تشریح ہے؟

علمأ سُو اسی طرح اسلام کی غلط بیانی کر کے ہندوؤں اور اپنے ''مہاتما'' (پیغمبر) کو ہر وقت اور ہر مرحلے پر راضی کرتے رہے۔

نہ خدا ہی ملا نہ وصالِ صنم
نہ اِدھر کے رہے نہ اُدھر کے

''میں عام طور پر یہ بات کہتا نہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ ہندوؤں کے آلھۃ (الہٰ کی جمع) یعنی دیوتا ہمارے ملائکہ ہیں، خدا ہندوؤں کے نزدیک الٰہہ الآلھۃ ان دیوتاؤں کا معبود ہے، ہم نے غلطی سے ان کے دیوتاؤں کو خدا سمجھ لیا اور اس طرح ان کے مذہب کو صحیح طور نہ سمجھ سکے، دراصل تعبیرات الگ الگ ہیں، اصل حقیقت ایک ہے ان کے ہاں بھی خدا سب سے ماورا ہے۔'' (افادات و ملفوظات عبیداللہ سندھی صفحہ ۳۰۳)

آپ (مولوی عبیداللہ سندھی) کی تجویز یہ ہے کہ جمعیت علمأ ہند کو دو شعبوں میں تقسیم کر دیا جائے، ان میں سے ایک شعبہ کے متعلق فرماتے ہیں:

''جمعیتِ علمأ کے دوسرے سیکشن کو ''اسلامی فلاسفی'' کا محافظ ہونا چاہیے، یہ اسلامی فلاسفی دراصل وہی ''ہندو فلاسفی'' ہے۔ جسے مسلم صوفیائے کرام نے ہندوستان میں تکمیل کے درجہ تک پہنچا دیا ہے۔''

مولانا صاحب جامعہ ملیہ دہلی میں اسی قسم کے ''اسلامی فلسفہ'' کا ایک مدرسہ کھولنا چاہتے تھے جہاں کے فارغ التحصیل مسلم نیشنلسٹ ہندو فلاسفروں سے متحد الخیال ہو کر یورپین انقلاب معاشی میں ہندوستان کو بہت آگے لے جائیں گے یعنی اسلام کا نہ کوئی اپنا فلسفہ زندگی ہے، نہ معاشی نظام، فلسفہ میں ہندوؤں سے متحد الخیال ہونا چاہیے اور نظام معاشی کے لیے یورپ کی تقلید کرنی چاہیے، اس پروگرام کو بروئے کار لانے کے لیے آپ فرماتے ہیں:

(۱) جمعیت علمأ کا وہ سکشن جو حکمت و فلسفہ کے لیے خاص ہوگا، میں اس کے ہر ممبر کو دعوت دیتا ہوں کہ وہ انڈین نیشنل کانگریس کا ممبر ہو جائے۔

(۲) انڈین نیشنل کانگریس کو تمام سیاسیات ہند کا مرکز بنا دیا جائے (لیکن یہ یاد رہے کہ)

(۳) مذہبی مراسم کو نیشنل تحریک کا جزو بنانا، خواہ کیسی نیک نیتی سے ہو، ملک کو تباہی سے نجات نہیں دے گا۔

اس کے بعد آپ نے اس پروگرام کی وضاحت کی ہے جسے وہ تحریک انقلاب کی تمہید کے طور پر نمونۃً سندھی میں شروع کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں مثلاً:

ا۔ سندھی زبان (جو آج تک عربی رسم الخط میں لکھی جاتی ہے) کو رومن رسم الخط میں لکھا جائے۔

۲۔ مسلمان گھٹنوں سے نیچے تک کی نیکر اور ہیٹ پہنیں اور ننگے سر نماز پڑھ لیا کریں۔

۳۔ نماز بوٹ سمیت پڑھ لی جایا کرے۔ (ماہنامہ طلوع اسلام (دہلی) جولائی ۱۹۳۹ء بحوالہ کنز الایمان لاہور تحریک پاکستان نمبر ۱۹۹۵ء صفحہ ۷۵)

یہ ہیں عبیداللہ سندھی صاحب کہیں مسلمانوں کو ہندو بنانے کے چکر میں نظر آرہے ہیں اور کہیں انگریز بنانے میں بھرپور کوشش صرف کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

عبیداللہ سندھی نے کٹر ہندو (متعصب ہندو) ڈاکٹر چوئتھ رام گڈوانی (صدر کانگریس کمیٹی سندھ) کے نام اہم راز کی باتیں کی ہیں جس سے ان کی مسلمانی واضح ہوتی ہے، مکتوب کے مطالعے کے بعد فیصلہ خود فرمائیں، لکھتے ہیں:

''میرا یہ فیصلہ قطعی ہو گیا ہے کہ مجھے اسلام کی حفاظت کے لیے ہندوستانی مسلمانوں کے اسلام کو نیشنل کانگریس کا جزو بنا دینا چاہیے۔ میری تحقیق میں ہندوستانی مسلمانوں کی اکثریت خصوصاً ادنیٰ طبقہ کے لوگ میری طرح ہندوؤں کی اولاد ہیں۔ ان کا قدرتی وطن اور ملک ہند کے سوا دوسرا ملک نہیں ہو سکتا اور جو بزرگ باہر سے آئے وہ بھی ہماری طرح ہند سے باہر اپنا کوئی ہمدرد

نہ پائیں گے۔ انہیں بھی اپنی ملکی طاقت کے زور پر اپنا مذہب چلانا چاہیے۔ اس لیے کافی وقت صرف کر کے میں نے شاہ ولی اللہ کے فلسفہ کی رہنمائی میں ''اسلامی تعلیمات'' پر نظر ثانی شروع کی۔ اس کو ایسا کر دیا کہ ''ہندوستانی قومیت'' کے ساتھ جمع ہو سکے تاکہ تمام ہندوستانی قوموں سے مذہبی جنگ ختم ہو سکے۔'' (بحوالہ سندھ کے دو مسلک صفحہ ۳۸)

کانگریس کے مولوی کی کیا پوچھتے ہو کیا ہے
گاندھی کی پالیسی کا عربی میں ترجمہ ہے

(اکبر الہ آبادی)

مولوی حسین احمد مدنی (شیخ الحدیث مدرسہ دیوبند) نے ۱۹۳۸ء میں ہندی جام سے سرشار ہو کر موج و مستی سے اعلان فرمایا: ''قومیں اوطان سے بنتی ہیں مذہب سے نہیں۔''

یعنی قوم وطن سے بنتی ہے مذہب سے نہیں اس لیے مسلمان ''مسلم قوم'' نہیں بلکہ ''ہندوستانی قوم'' ہے۔ اس طرح انہوں نے ''دو قومی نظریہ'' پر ضرب لگائی۔ یہ کانگریس کا فیضان، متحدہ قومیت کا پیغام اور گاندھویت کا اثر تھا اور یہی سبب تھا کہ ان دنوں اسی مکتبِ فکر کے ایک اور رہنما عبیداللہ سندھی نے بھی ہندو پرستی اور کانگریس کا دم بھرتے ہوئے، دل کے خلوص کے ساتھ پُرجوش نعرہ مارا، انہی کے معتقدِ خاص مولانا فاروق القادری کی زبانی سنیئے:

مولانا عبیداللہ سندھی آخری دم تک اپنا یہ نظریہ ان الفاظ میں دہراتے رہے جس کے راوی آج بھی موجود ہیں:

''میں سندھی پہلے ہوں اور مسلمان بعد میں''

(اکابر تحریک پاکستان مقدمہ صفحہ ۱۲ مطبوعہ لاہور)

حکیم محمد حسین بدر مرحوم کے اس بیان سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے:

"مولانا عبیداللہ سندھی سے جامعہ ملیہ میں ملاقات ہوگئی، مولانا صاحب نئے نئے روس سے واپس آئے تھے اور طلبہ کو متحدہ قومیت اور سوشلزم پر لیکچر دے رہے تھے اور کہتے تھے کہ میری ان تعلیمات سے نہ ہندو، ہندو اور نہ مسلمان، مسلمان رہے گا اور دونوں خدا سے بھی دور نہ ہوں گے بلکہ ہندو اور مسلمان کھیر شکر بن کر رہیں گے۔ (منزل انہیں ملی جو شریک سفر نہ تھے حصہ دوم صفحہ ۲۳)

ان لوگوں کی یہی مشن رہی کہ مسلمان کا ایمان اس قدر زنگ آلود ہو جائے کہ وہ ہندو کلچر میں رنگ جائے اگر وہ ہندو نہ بن سکے تو کم از کم "ہندو زدہ" تو ضرور بنے گا۔ مسلمان کے ایمان اور غیرت کے جراثیم ختم کرنے کے لیے ان لوگوں نے اسلام اور قرآن کو بطور ہتھیار استعمال کیا لیکن رب کریم نے مسلمانوں کو فتح و نصرت سے نوازا اور یہ شکست خوردہ ثابت ہوئے۔ ان مولویوں نے اعلانیہ طور پر رسالت سے بغاوت کی وہ ایمان لانے کے لیے رسالت کو ضروری نہیں سمجھتے تھے ان کا کہنا تھا کہ اللہ کو مانو اور ہندو کا ساتھ دو، تم مسلمان ہندوؤں کی مملکت ہو لہٰذا ان کے مذہبی رسومات میں بھی شریک و ساتھ رہیں۔

ان مولویوں نے ایک فتنہ برپا کیا جس کو ان کے یار لوگ انقلاب سے موسوم کرتے ہیں۔

جن لوگوں کی نظر میں ایمان اس قدر ہلکہ و معمولی ہے تو پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان کے اندر بھی ایمان تھا کہ نہیں یا فقط دکھاوے کے مولانا تھے۔ شکل صورت میں مسلمان، نام کے مسلمان لیکن اصل میں ہندوؤں کے جام سے سیراب تھے اور ایسے سیراب تھے کہ مرتے دم تک جام کا نشہ نہیں اُترا۔

مولوی عبیداللہ دیوبندی مسلمانانِ ہند سے یوں مخاطب ہوتے ہیں:

"اگر میرا وطن اس انقلاب کے نقصان سے بچنا چاہتا ہے جو اس وقت دنیا پر چھا گیا ہے اور چھاتا رہے تو اسے یورپین اصول نیشنلزم کو ترقی دینا

چاہیے۔ پچھلے زمانہ میں ہمارا ملک جس قدر نامور رہا ہے اسے دنیا جانتی ہے مگر اس سے ہم کچھ فائدہ نہیں اٹھا سکتے جب تک ہم آج کی قوموں میں اپنا وقار ثابت نہ کرسکیں.......... میں سفارش کرتا ہوں کہ ہمارے اکابر مذہب وملت برٹش گورنمنٹ کے دو صد سالہ عہد سے زیادہ زیادہ استفادہ کی کوشش کریں جس طرح ہم نے یورپ سے تنفر برت کر اپنی ترقی کو محدود کرلیا ہے اسے اب خیرباد کہیں، اس معاملہ میں، میں نے ترکی قوم کے اس انقلاب کا پوری طرح مطالعہ کیا ہے جو سلطان محمود سے شروع ہوکر مصطفےٰ کمال کی جمہوریت پر ختم ہوتا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ یورپ کے انٹرنیشنل اجتماعات میں ہمارا وطن ایک معزز ممبر بن جائے اس کے لیے ہمیں اپنی معاشرت میں انقلاب کی ضرورت محسوس ہوگی..........سندھی اپنے وطن کا بنا ہُوا کپڑا پہنے مگر وہ کوٹ پتلون کی شکل میں ہوگا یا کالر دار قمیض اور نیکر کی صورت میں مسلمان اپنا نیکر گھٹنے سے نیچے تک استعمال کرسکتے ہیں۔ ہیٹ دونوں صورتوں میں بے تکلف استعمال کیا جائے گا۔ جب مسلمان مسجد میں آئے گا، ہیٹ اتار کر ننگے سر نماز پڑھے گا۔" (بحوالہ مسئلہ قومیت از مولانا مودودی صفحہ ۱۷۔ خون کے آنسو صفحہ ۴۵ مطبوعہ الہ آباد انڈیا)

مولانا مفتی عبدالرحیم صاحب سکندری نے "سندھ کے دو مسلک" پر مقدمہ میں مولانا سندھی کے نظریات و خیالات کے گہرے مطالعہ کے بعد جو تبصرہ رقم فرمایا ہے وہ نہایت حقیقت افروز ہے یہی ان کی زندگی کا لُب لباب ہے:

> اسلام کو "ہندومت" میں مدغم کرنے کی ابتداً مغل بادشاہ اکبر نے کی۔ اس ناپاک منصوبہ کو حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ نے خاک میں ملا دیا اور مسلمانوں کو بروقت "دین الٰہی" کے فتنہ سے آگاہ فرمایا۔ مگر آگے چل کر انگریزوں کے زیر اثر اس تحریک نے پھر زور پکڑا تو مسلمانوں کے کئی لیڈر اور علماً اس سازش کے سیلاب میں بہنے لگے اور گاندھی کو اپنا

امام بنا بیٹھے، مگر علماءِ اہل سنت نے اس وقت "دو قومی نظریہ" کو قرآن و سنت کی روشنی میں عوام الناس کے سامنے پیش کرتے ہوئے اس "ہندو مسلم اتحاد" کے خلاف عملی اور قلمی جہاد فرمایا۔ (سندھ کے دو مسلک صفحہ ٦)

علامہ اقبال سے نفرت ☆

عبیداللہ سندھی نے ارشاد فرمایا:

"سچ پوچھو تو اقبال ایک روایت پرست یہودی کی طرح مسلمانوں کی موہوم جماعت کو پوجتا ہے"

ایک اور مقام پر فرمایا:

"اقبال کا اسلام عملاً ایک فرقہ پرست ہندوستانی بلکہ پنجابی مسلمان کا اسلام تھا۔" (افادات وملفوظات عبیداللہ سندھی صفحہ ٣٢٣۔٣٢٥ بحوالہ تحریک پاکستان نمبر ١٩٩٥ء صفحہ ١٢٣)

وہ اقبال جس نے "مسلم قوم" کو بیدار و منظم کیا، اسلامی تشخص ابھارا اس اقبال سے کانگریسی مولوی کیسے خوش رہ سکتے تھے بلکہ اس وقت ان کے غیض وغضب میں اور ترقی ہوگئی جب بستر مرگ سے علامہ اقبال نے کانگریسی مولوی حسین احمد کو للکارا تھا اور ان کی اہم غلطی پر اس طرح ٹوکا تھا۔

چہ بے خبر ز مقام محمد ﷺ عربی است

اقبال کا دل نورِ مصطفیٰ سے روشن، زبان ثنائے نبی سے سرشار اور عشق ان کا اوڑھنا بچھونا رہا۔ اقبال نے حبیب کبریا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جتنا عقل سے سمجھا اس سے کہیں زیادہ عشق ومحبت کی عینک سے دیکھا۔ ان کے لیے یہ تصور ہی راحت بخش تھا کہ حضور اکرم سیدنا محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے ہادی اور راہنما ہیں:

سالار کارواں ہے میر حجاز اپنا
اس نام سے ہے باقی آرام جان ہمارا

(اقبال اور عشق رسول صفحہ ١ پروفیسر سرور شفقت)

قائداعظم اور مسلم لیگ سے اظہارِ نفرت ☆

سندھی نے فرمایا:

اخبار انقلاب کے ایڈیٹر نے مسٹر جینا (جناح) کے خلاف مختلف اخبارات کے فائل جمع کر لیے ہیں وہ جب لاہور (پنجاب) کے مسئلے میں دست اندازی کریں گے تو پنجاب کا مسلم پریس پوری طاقت سے مسٹر جینا کا مقابلہ کرے گا۔

مسٹر جینا ابھی لاہور سے پوری طرح ناامید نہیں ہوئے ہیں۔ جب پوری طرح ناامید ہو جائیں گے تو انگریزوں کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھیں گے۔ گزارش کی گئی کہ لاہور چھن گیا تو پاکستان کا مرکز کہاں ہوگا؟

آپ نے فرمایا: یہ بعد کی بات ہے۔ آخر پاکستان میں جو قرآنی حکومت قائم کریں گے وہ کیسی ہوگی؟ مسٹر جناح نے عالموں کو تو دھتکار دیا ہے۔ عالموں کے سوا قرآنی حکومت کی تشکیل کون کر سکتا ہے؟

گزارش کی گئی کہ ہندوستان میں حکومت الٰہیہ کا جو پروگرام تجویز کیا جارہا ہے وہ کیا ہے؟ فرمایا کہ بازیچۂ اطفال ہے۔ برطانوی شہنشاہیت میں کہیں حکومت الٰہیہ کا امکان ہوسکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔

ہندوستان کی قومی تحریکوں کے اثرات کو ذہنوں سے محو کرنے کے لیے یہ کھلونے سامنے لائے جارہے ہیں۔ ان کے اندر حقیقت کچھ بھی نہیں۔" (ماہنامہ توحید کراچی ١٩٤٤ء)

امام انقلاب کی سیاسی بصیرت کا جنازہ نکل گیا کہ قائداعظم محمد علی جناح کا پنجاب مسلم پریس نے کوئی مقابلہ نہیں کیا۔ بانی پاکستان کا مسلم پریس نے بھرپور ساتھ دیا ہندوؤں کے زرخرید کانگریس صحافی جو کہ پاکستان کی راہ میں ہر وقت روڑے اٹکا رہے تھے لیکن ربِّ کریم نے دو قومی نظریہ کے حامی محمد علی جناح کو فتح ونصرت سے ہمکنار کیا۔

محمد علی جناح نے علمائے حق کو دھتکارا کہاں بلکہ اُن کی صحبت سے بھرپور علمی روحانی فائدہ اٹھایا اور یہ حق ہے کہ علمائے اہل سنت کے وجود مسعود کے سبب پاکستان کی تحریک نے غیر معمولی کامیابی حاصل کی ہے۔ علامہ عبدالحامد بدایونی، علامہ عبدالعلیم صدیقی، علامہ ظہور الحسن درس، مولانا عبدالستار خان نیازی، مولانا محمد بخش مسلم، مولانا پیر سید جماعت علی شاہ علی پوری، مولانا محمد ابراہیم علی چشتی، مولانا حسرت موہانی، علامہ سید نعیم الدین مراد آبادی، مفتی محمد عمر نعیمی وغیرہ آپ کے دست و بازو بنے ہوئے تھے۔

ہاں جناح صاحب نے ان زرخرید بکاؤ مال کو واقعی اپنی خوددار بزم میں سے دھتکار دیا تھا۔

مولانا دین محمد وفائی (توحید و آزاد کے ایڈیٹر، مسلکاً اہل حدیث اور سندھ میں مولانا سندھی کے دست و بازو تھے اور تقویۃ الایمان کا سندھی ترجمہ بھی انہوں نے کیا تھا) کی بھی سنیئے وہ اس سلسلے میں کیا فرما رہے (اس کا فرمان، مولانا سندھی کے کسی فرمان کی شرح ہوگا) روزنامہ آزاد کے اداریہ میں لکھتے ہیں:

"برطانوی وزارتی مشن نے اقتدار کی منتقلی کے لیے اب تک جو باتیں کی ہیں ان میں اگرچہ مختلف جماعتیں شریک رہی ہیں۔ لیکن صاف نظر آتا ہے کہ اصل فریق کانگریس رہی ہے اور اصل معاہدہ کانگریس ہی سے ہے۔ ایک مرکزی اسمبلی یا متحدہ ہندوستان کی تجویز قبول کرنے سے آپ بجا طور پر سمجھ سکتے ہیں کہ آئندہ ہندوستان کی تمام طاقت کانگریس کے قبضے میں آنے والی ہے اور کانگریس ہی مرکزی طاقت بن کر پنڈت جواہرلال نہرو کے بقول "ہندوستان پر راج کرے گی"۔

اس حالت میں ہندوستان کے دس کروڑ مسلمانوں کی پوزیشن کیا ہوگی؟ اس پر بھی کچھ غور کرنا چاہیے۔ اس لادینی غلبے اور کانگریس کی طاقت میں آنے کے بعد مسلمان اپنا دین اور مذہب کیسے بچا سکتے ہیں؟ کیا اس پر کسی لیگی یا غیر

لیگی مسلمان نے غور کیا ہے؟

آج ہندو قوم پورے طور پر منظم اور مضبوط صورت میں ہمارے سامنے موجود ہے۔ ان کے پاس مہاتما گاندھی جیسی "ہندو دھرم" کی جیتی جاگتی ہستی موجود ہے۔ لیکن کیا مسلمانوں کے پاس بھی دین اسلام کا کوئی زندہ وجود ہے؟ ان کے پاس کوئی ایسا سیاسی لیڈر ہے جس کو دیکھنے سے صدیق اکبر یا فاروق اعظم کی یاد آجائے؟ اور جس کی عملی زندگی ہندوستان میں دفاع اسلام کے لیے کارآمد ہوسکے؟ آپ اس سوال پر غور کریں۔ ایک بار نہیں سو دفعہ غور کریں۔ آپ کو نفی کے سوا کوئی اور جواب نہیں ملے گا۔ (روزنامہ آزاد کراچی، ۲۵/جولائی ۱۹۴۶ء اداریہ)

عبیداللہ سندھی کے شاگرد اور مشہور کمیونسٹ لیڈر مسٹر امین خان کھوسہ نے ہندوستان میں دفاع دین کے لیے دو جملوں میں مولانا سندھی کی تعلیم کو بیان کر دیا ہے کہ دین کے لیے دنیا کا تمام ساز و سامان حاصل کریں اور دین کے لیے کانگریس میں شریک ہو جائیں۔" (ایضاً)

مسلم لیگی مسلمانوں پر کتنا بڑا طنز ہے کہ ان کے پاس کامل مومن نہیں ہے جب کہ ہندوؤں کے پاس کامل ہندو ہے اور کانگریسی علمائے اسی کامل ہندو کے مقلد بن بیٹھے، طنز و تنقید کے نشانہ پر ہیں تو لیگی مسلمان۔ اس سے بڑھ کر مسلم دشمنی اور ہندو پرستی کا اور کیا مناظر ہوں۔

سندھ کے سادات کو مشورہ ☆

عبیداللہ دیوبندی نے سندھ کے سادات کرام کو مشورہ دیتے ہوئے فرمایا:

"سندھ کے سادات کو چاہیے کہ خود کو ملک کا خادم کہلوا کر کام کرتے رہیں۔ بلکہ خود کو سید نہ کہلوائیں تو بہتر ہے۔" (توحید کراچی، جون ۱۹۴۴ء)

سادات کرام آل رسول ہیں وہ سندھ میں معروف مشہور و ممتاز و اعلیٰ و ارفع خاندان ہیں۔ سادات کرام سے دیوبندی صاحب کو پتا نہیں کون سی تکلیف لاحق تھی جس کے سبب انہیں اعلانیہ جھوٹ بولنے کا مشورہ دیا جارہا ہے کہ وہ اپنا۔

سید ہونا ظاہر نہیں کریں۔ حالانکہ سندھ کے سادات کے ٹکڑوں پر پل کر تو شہرت حاصل کی تھی۔

فقہ حنفی پر چوٹ ☆

مولانا عبیداللہ سندھی کے معیار پر جو چیز نہیں اُترتی وہ یا تو اس کا سرے سے انکار کردیتے یا پھر ان میں سے نقص وعیب نکالنے کی کوشش کرتے۔ تنقید برائے تنقید سے اپنی دل کی بھڑاس نکالنا ان کا معمول تھا۔ شاید اس لیے کہ تمام لوگ انہیں بڑا مانیں اور ان کے مشورے پر عمل کریں، ان کے بتائے گئے راستے پر چلیں، ان کے خود مقرر کردہ بنائے گئے اصول وقوائد پر ایمان لانا ضروری تھا ورنہ نجات اُخروی اور فلاح دنیوی بہت مشکل۔ مولانا سندھی کے جذباتی مقلد کی سنیے وہ اسی قسم کی بات سنا رہے ہیں۔

وفائی لکھتے ہیں:

اگر سندھ کے مسلمان اس انقلابی (لادینی انقلاب) مفکر اور استاد وقت کے بتائے ہوئے راستے سے ہٹے اور اس پر چلنے سے روگردانی کی تو وہ ہمیشہ کے لیے حیرانی اور سرگردانی میں مبتلا ہو جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ اس انجام سے مسلمانوں کو اپنی پناہ میں رکھے۔" (توحید کراچی اکتوبر ۱۹۴۴ء)

جذباتی مولوی بڑے بول بولنے میں ذرا سی بھی شرم محسوس نہیں کرتے حالانکہ مسلمانوں نے جب عبیدالٰہی فکر سے بغاوت کی تو انہیں فلاح دنیوی نصیب ہوئی عظیم مملکت اسلامیہ پاکستان وجود میں آیا اور مسلمان بڑے سکون قلبی کے ساتھ دین و دنیا میں ترقی کی منازل طے کررہے ہیں اور وہ ناکام سیاستدان ثابت ہوئے۔

دوسرا بڑا بول بھی سنیئے:

"ہندوستان کے مسلمانوں کی نجات اور ان کی مشکلات کا حل

صرف مولانا سندھی کے بتائے ہوئے پروگرام میں ہے۔" (توحید کراچی اگست ستمبر ۱۹۴۵ء)

یہ بڑا بول بھی سو فیصد جھوٹ نکلا، اس طرح بڑے بول سُنا کر انہیں مولوی سے اُوپر اٹھا کر تسخیری قوت بنا کر پیش کرکے لوگوں کو اپنے اعتماد میں لے کر پھر وہ اصلی بات کرتے ہیں جو انہیں کرنی ہوتی تاکہ سیدھے سادھے مسلمان بغیر کسی تردد کے ماننے کے لیے تیار ہو جائیں۔

عبیداللہ سندھی نے فرمایا:

"حضرت صاحب امروٹ والوں ۔ : حنفی فقہ کے امام ابو زید دبوسی کی کتاب الاسرار کا قلمی نسخہ شکارپور سے مہیا کیا جس سے فقہ حنفی کا اپنے اساتذہ والا اصلی مسلک معلوم ہوا۔ فقہ میں بنیادی کتب یہی ہیں۔ باقی مدرسوں میں جو (فقہ حنفیہ) پڑھائی جاتی ہیں وہ تو صرف تمہید ہیں۔" (توحید کراچی جون ۱۹۴۴ء) فقہ حنفی کا اصلی مسلک مولانا سندھی نے دریافت کرلیا باقی صدیوں سے جو فقہ مدارس میں پڑھائی جاتی ہے وہ نقلی ہیں۔اس کم ظرف دروغ گو مولانا کے لیے ان کے عاشق و جذباتی مقلد مولانا وفائی دوسرے پر بات رکھ کر فرماتے ہیں:

"آج ہندوستان میں ان سے بڑا کوئی عالم دین نہیں۔" (توحید جون ۱۹۴۴ء)

حاصل مطلب: اپنی تنگ دامانی کے سبب مضمون کو اختتام پر پہنچاتے ہیں۔ الغرض ان تمام ارشادات فرامین اور مستند روایات کی روشنی میں مولانا عبیداللہ سندھی کا جائزہ لیں کہ ایک طرف انگریز کے آلہ کار بنے ہوئے لیکن بظاہر انگریز کے مخالف دوسری طرف ہندوؤں مشرکوں کے ساتھ مل کر سیکولر حکومت کے قیام کے لیے تمام کوششیں فرمائیں اور تیسری طرف "ہندی فلسفہ" کے ذریعے مسلمانوں کو ہندو بنانے کے لیے دن رات صرف کیے۔ اندازہ لگائیں ٹھنڈے دل سے سوچیں کہ ان علماء کے جذباتی روش نے مسلمانوں کو کس قدر شدید دینی روحانی اور مالی نقصان پہنچایا۔ آج نصابی کتب میں ایسے علماء کا تذکرہ شامل فرما کر حکومت پاکستان، معلوم نہیں مسلمان بچوں کو سیکولر ذہن رکھنے والے علماء کا عقیدت مند بنا کر نظریہ پاکستان (دو قومی نظریہ) کو تقویت پہنچا رہی ہے یا ایک قومی نظریہ کی نشوونما میں حصہ دار بن رہی ہے۔

کانگریسی علماء

مولانا مفتی محمود کے فرزند دلبند مولانا فضل الرحمٰن (سکریٹری جنرل جمعیت علماء اسلام) نے ملتان میں فرمایا: ''تحریک پاکستان میں اسلام کے نام پر برطانوی ہند کے دس کروڑ مسلمانوں کو دھوکہ دیا گیا۔''

مولانا فضل الرحمٰن کے والد نے یہاں تک کہہ دیا تھا کہ ''الحمداللہ ہم پاکستان بنانے کی غلطی میں شامل نہیں تھے۔''......مولانا فضل الرحمٰن تقریباً اسی انداز اور لب لہجہ میں آج گفتگو فرما رہے ہیں اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کررہے ہیں کہ۔

باپ کا علم نہ بیٹے کو اگر ازبر ہو
پھر پسر قابل میراث پدر کیوں کر ہو

جس بھارت کو مسلمان چھوڑ کر آئے وہاں مسلمانوں پر کیا بیت رہی ہے بظاہر مولانا فضل الرحمٰن کو اس کا اندازہ نہیں اور یہ سلسلہ آج سے نہیں قیام پاکستان سے لے کر آج تک جاری ہے۔ جس اسلامی مملکت نے مولانا کے والد کو پناہ دی، اعزاز بخشا۔ وہ وزارت اعلیٰ کی کرسی پر بھی فائز ہوئے اور جس مملکت اسلامیہ میں مولانا فضل الرحمٰن اطمینان اور سکون سے زندگی بسر کررہے ہیں اس پر خدا کا شکر ادا کرنے کی بجائے مولانا صاحب یہ کہہ رہے ہیں کہ انہیں دھوکا دیا گیا۔ایک خبر یہ ہے کہ کسی ایسے سیاستدان کو سیاست میں حصہ لینے اور کوئی ایسی سیاسی جماعت تشکیل دینے کی اجازت نہیں ہوگی جو ''نظریہ پاکستان'' (دوقومی نظریہ) کی مخالف ہو۔ ہمیں پہلے تو یہ بات پسند نہیں آئی تھی مگر جب ہم عبدالغفار خان (گاندھی سرحد) جی ایم سید جیسے بزرگوں اور مولانا فضل الرحمٰن جیسے نوجوانوں کو نظریہ پاکستان کی مخالفت کرتے دیکھتے ہیں تو ہمیں یہ کہنا ہی پڑتا ہے کہ یہ پابندی جائز

ہوگی۔ افسوس ہے کہ صرف ان لوگوں کے بیانات پر گرفت ہوتی ہے جو ارباب حکومت پر گراں گذرے، بقیہ سب کو عام چھٹی ہے۔ مولانا فضل الرحمٰن کو چاہیے کہ وہ اپنے دو بزرگوں کے ساتھ بھارت چلے جائیں اور چین کی بانسری بجائیں یہاں تو ان کو دکھ ہی دکھ ہے۔ وہاں آر ایس ایس کے مہمان کے طور پر وہ بڑے آرام سے دن گزار دیں گے۔ (نوائے وقت لاہور ۱۷ر جولائی ۱۹۸۵ء)

☆ حال ہی میں علماء (دیوبند) کی ایک سیاسی پارٹی کے سکریٹری نے تحریک و قیام پاکستان کو اسلام کے نام پر مسلمانوں سے دھوکہ کہا ہے (مگر تحریک خلافت کے دوران) ہندوؤں سے اتحاد و اشتراک اور اسے مسجدوں کے اندر لے جانا اور منبر رسول پاک پر بٹھانا کس طرح جائز تھا۔ مشرک کو تو قرآن پاک میں نجس کہا گیا ہے اور مسجد حرام میں اس کے داخلہ کی ممانعت کردی گئی ہے۔ (نوائے وقت لاہور ۲۲ر جولائی)

☆ تحریک پاکستان کے کارکن کے ایچ خورشید نے کہا:

مجھے مولانا فضل الرحمٰن کا بیان پڑھ کر سخت افسوس اور دکھ ہوا ہے......جو جماعتیں مطالبہ پاکستان کے خلاف تھیں ان میں ''جمعیت علماء ہند'' بھی شامل تھی۔ جو پوری آزادی کے ساتھ پاکستان کی مخالفت کرتی رہی اور اس میں کانگریسی پریس کی بھی اسے حمایت حاصل رہی۔ ان حالات میں یہ کہنا کہ مسلمانوں کو دھوکہ دیا گیا تھا حقائق کے بالکل برعکس ہے۔ شدید بے انصافی ہے۔ موجودہ حالات کی خرابی اور مایوس کن صورتحال کی ذمہ دار تحریک پاکستان نہیں بلکہ وہ ذہنیت ہے جو آزادی جیسی نعمت کے صحیح جذبے اور روح سے ناآشنا ہے۔ (جنگ لاہور ۱۹ر جولائی)

آبائی ورثہ☆

مولانا فضل الرحمٰن نے بجاطور پر اپنے والد مولانا مفتی محمود کا اپنے آپ کو جانشین ثابت کیا ہے۔ تحریک پاکستان اور قیام پاکستان کی مخالفت میں جن علماء

نے ہندو کانگریس کا ساتھ دیا مولانا فضل الرحمٰن کے بزرگ ان میں یقیناً شامل تھے اور مولانا موصوف کو یہی ذہن ورثہ میں ملا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مولانا فضل الرحمٰن نے اپنے خطاب میں یہ بھی فتویٰ دے دیا کہ ''غیر منقسم ہندوستان میں تحریک پاکستان کے نام پر دس کروڑ مسلمانوں سے دھوکا کیا گیا اور آج پاکستان بننے کے ۳۸ سال بعد بھی اسلامی نظام کے نفاذ کی بات کرکے قوم سے فریب کیا جارہا ہے۔'' مولانا فضل الرحمٰن کو اپنے ذہن میں یہ بات رکھنی چاہیے کہ جب وہ تحریک پاکستان پر طنز کیا کرتے ہیں تو اپنا بوجھ وہ اسلام دشمن طاقتوں کے پلڑے میں ڈال دیتے ہیں۔ (نوائے وقت لاہور ۲۰؍جولائی ۱۹۸۵ء)

باپ کا کردار☆

''مفتی محمود (دیوبندی) اپنے معتقدین کی محفلوں میں کہتے رہتے ہیں کہ ''پاکستان ٹوٹتا ہے تو ٹوٹے ہمیں کیا۔ ہمارے اکابر پاکستان کے خلاف تھے۔'' نیز مفتی محمود نے راولپنڈی کی محفل میں کہا میں پنجابیوں پر پیشاب کرتا ہوں یہ الفاظ کہتے وقت انہوں نے مولانا عبیداللہ انور (ولد مولانا احمد علی لاہوری) اور مولانا عبداللہ درخواستی (رحیم یار خاں) وغیرہ اپنے اکابر کو بھی مستثنیٰ نہیں کیا۔ (ہفت روزہ الجمعیت راولپنڈی ۷؍دسمبر ۱۹۷۳ء) مفتی محمود دیوبندی نے فتویٰ دیا تھا کہ۔ ''مسلم لیگ کو ووٹ دینے والوں کا نکاح فسخ ہو جائے گا۔'' (روزنامہ ندائے ملت لاہور، ۳؍جون ۱۹۷۹ء)

بیٹے کا اعتراف☆

مولانا فضل الرحمٰن (دیوبندی) نے کہا ہے کہ۔ مجھے اس امر سے کوئی انکار نہیں ہے کہ پاکستان بننے سے قبل قیام پاکستان کے بارے میں میرے اکابرین (دیوبند) کا اختلاف رہا ہے......... ہمیں اپنی ماضی کی کمزوریوں کا دل کھول کر اعتراف کرنا چاہیے۔'' (روزنامہ جنگ لاہور، ۲۷؍جولائی ۱۹۸۵ء)

☆مولانا فضل الرحمٰن (دیوبندی) نے کہا۔''بھارت میں مسلمان پاکستان کی

نسبت مذہبی اور سیاسی طور پر ہم سے زیادہ آزاد ہیں۔ ہندو مسلم فسادات میں حکومت بھارت کا کوئی عمل دخل نہیں ایسے فسادات تو پاکستان میں بھی ہوتے رہتے ہیں۔'' (نوائے وقت، ۱۹؍جنوری)

انہوں نے کہا۔''ہم سمجھتے ہیں کہ بھارت تقسیم نہیں ہوا (گویا پاکستان نہیں بنا) بلکہ مسلمانوں کو تقسیم کر دیا گیا ہے اور اگر ہندوستان متحد رہتا تو مسلمان قوم اپنی عددی اکثریت سے ہندوؤں کے ساتھ مل کر آج ترقی کی منزل طے کرتے۔ شیخ الہند مولانا محمود الحسن (دیوبندی) نے وطنیت کا نعرہ سب سے پہلے لگایا۔ وہ ''مسلم ہندو اتحاد'' کے داعیوں میں سے تھے۔ انہوں نے علمائے دیوبند کو اسی نعرے کی پُرزور حمایت کی تلقین کی کہ ہندو اور مسلمان ہندوستانی قوم ہیں۔'' (نوائے وقت، ۱۸؍جنوری ۱۹۸۵ء) انگریز کے زمانے میں بھی جب اس قسم کی بات کہی گئی تھی تو حضرت اقبال نے فرمایا تھا۔

ملا کو جو ہے ہند میں سجدے کی اجازت
نادان سمجھتا ہے کہ اسلام ہے آزاد

سابقہ کردار☆

''صوبہ سرحد میں سرحدی گاندھی عبدالغفار خان، مجلس احرار اسلام، جمعیت علمائے ہند، علامہ مشرقی کے خاکسار، کانگریس کے نیشنلسٹ مسلمان (ابوالکلام آزاد وغیرہ) نے تحریک پاکستان کی زبردست مخالفت کی تھی۔ جب کانگریس نے مطالبہ پاکستان تسلیم کرلیا تو عبدالغفار نے گاندھی و نہرو سے سخت شکوہ کیا اور کہا۔''ہمیں بھیڑیوں کے سامنے ڈال دیا گیا ہے۔'' (نوائے وقت لاہور، ۲۵؍دسمبر ۱۹۸۵ء بحوالہ: ماہنامہ رضائے مصطفےٰ گوجرانوالہ ذیقعدہ ۱۴۰۵ھ۔ جمادی الاُخر ۱۴۰۶ھ وغیرہ)

مولانا اشرف علی تھانوی اور جدوجہد پاکستان

مولانا اشرف علی تھانوی، دیوبندیوں کے مقتدر عالم ہیں، اپنے حلقہ میں حکیم الامت سے پہچانے جاتے ہیں اور بعض دیوبندی علماً نے ان سے خلافتیں بھی حاصل کی۔ انہی مولانا کے متعلق ان کے ایک مخلص معتقد مولانا عبدالاحد صاحب سُورتی نے ۱۹۴۶ء میں ''اشرف الافادات'' کے عنوان سے ایک رسالہ تحریر کیا جس کا تعارف مولوی محمد میاں صاحب (والد مولوی حامد میاں صاحب مہتمم جامعہ مدنیہ لاہور) نے لکھا۔ اس رسالہ میں ایک جگہ مسلم لیگ کی مخالفت میں مولانا اشرف علی تھانوی کے اعلانات و بیانات ان کے خلفاً مولوی خیر محمد اور مولوی عبدالجبار ابوہری کی زبانی نقل کیے گئے ہیں۔ مولوی عبدالجبار ابوہری صاحب کے یہ الفاظ لائق توجہ ہیں۔

> ''حضرت والا نے لیگ کی بداعمالیوں اور مذہب دشمنی ملاحظہ فرما کر لیگ سے کنارہ کشی اختیار کر لی تھی۔ جس مجلس مبارک میں حضرت والا نے یہ فرمایا تھا، مولانا ظفر احمد صاحب بھی موجود تھے اسی فرمان کو سُن کر مولانا ظفر احمد صاحب نے کہا کہ حضرت والا! چندماہ اور ٹھہر جائیے۔ حضرت حکیم الامت (تھانوی) نے فرمایا کہ اب لیگ کی اصلاح کی امید بالکل ختم ہوگئی، میں ان حضرات سے خوب واقف ہوں۔ حضرت والا بار بار یہ شعر پڑھتے تھے۔
>
> نہ خنجر اٹھے گا نہ تلوار ان سے
> یہ بازو میرے آزمائے ہوئے ہیں
>
> ہاں یہ صحیح ہے کہ شروع شروع میں لیگ کے حامی تھے یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ حضرت حکیم الامت، مسلم لیگ جیسی بددین

> جماعت کی حمایت کریں۔ اب تو وہ قادیانیوں دھریوں اور شیعوں کی مجسم جماعت ہے۔ لہٰذا تمام متوسلین کے ذمہ یہ ضروری ہے کہ حضرت والا کا اتباع کرتے ہوئے لیگ سے علیحدگی اختیار کریں۔''

(اشرف الافادات صفحہ ۱۸ مطبوعہ دہلی بحوالہ دارالعلوم دیوبند کے سو سال صفحہ ۳۷ مطبوعہ لاہور)